ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

۲/دسمبر ۱۹۹۶ء

☆ قانون کی حکمرانی ہو تو امن عامہ کا مسئلہ پیدا نہیں ہو گا

☆ "متوقع قائد" کا خیال ہے کہ نوے روز کے اندر احتساب عوام سے مذاق ہے

☆ یہودیوں کا اپنے مذہب سے تعلق ہمیشہ کمزور رہا ہے

حدیث امروز

جنرل (ر) محمد حسین انصاری

واہ رے واہ

پاکستان کی مسلسل بگڑتی ہوئی اقتصادی صورت حال کی بنا پر بین الاقوامی مالیاتی ادارے آئی ایم ایف (IMF) نے گزشتہ سال پاکستان کو مزید قرضہ دینے سے انکار کیا تو ہر سو ہلچل مچ گئی اس لئے کہ قرضہ لئے بغیر ہمارے اپنے وسائل سے جاری اخراجات (current expenditure) ہی پورے نہیں ہوتے۔ زیر تعمیر ترقیاتی کاموں کے علاوہ بیرونی قرضہ جات کی واجب الادا اقساط کے لئے بھی بھاری رقم کی ضرورت تھی۔ بے نظیر حکومت نے آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کو نچا دینے کی ممکنہ کوشش کی کہ قرضہ جات پر بندش ہٹ جائے مگر بات نہ بنی۔ حکومت کی اقتصادی ٹیم کے شاطر سربراہ وی اے جعفری نے ہر حربہ استعمال کیا۔ صریحاً غلط مرتب شدہ رپورٹیں پیش کرتے ہوئے خوش فہمی پیدا کرنا چاہی' اقتصادی اصلاحات کے ناقابل یقین منصوبہ جات ترتیب دیئے' اپوزیشن کی ہٹ دھرم مخالفت کی وجہ سے مشکلات کا رونا رویا مگر آئی ایم ایف کے عہدے دار ہمیشہ ہنس دیتے۔ بالکل اسی طرح کہ جیسے ایک سردار جی اپنے ہاں کے بنئے سے قرض اٹھانے پہنچے تو ہوشیار بنئے نے پوچھا سردار جی آپ یہ قرض کیسے چکائیں گے۔ سردار جی بولے میں نے اس کے لئے پورا انتظام کر رکھا ہے۔ بنیا بولا وہ کیسے۔ سردار جی نے کہا میں نے اپنے بیٹوں سے کہہ دیا ہے وہ گاؤں سے شہر کو جانے والی سڑک کے دونوں اطراف کیکر کے پودے اگا دیں۔ یہ پودے عنقریب درخت بن جائیں گے اور جب گاؤں سے کپاس کی بھری ہوئی بیل گاڑیاں ان درختوں کے نیچے سے گزریں گی تو کانٹے دار شاخیں کچھ کپاس اچک لیا کریں گی جسے میرے بیٹے جمع کرتے ہوئے بیچ کر تمہارا قرض اتار دیں گے۔ یہ سن کر بنیا ہنس دیا تو قریب بیٹھے ایک شخص نے پوچھا سیٹھ صاحب آپ ہنس کیوں رہے ہیں۔ سردار جی بولے سیٹھ صاحب قرض کی ادائیگی کے معقول پروگرام پر خوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔ اسی طرح جب آئی ایم ایف حکومت پاکستان کی طفل تسلیوں پہ ہنس دیتی اور ٹس سے مس نہ ہوئی تو ہمارے بعض دانشوروں نے آئی ایم ایف کو ہدف تنقید بناتے ہوئے اس پہ پہلی حکومتوں کو بھی فیل کر دینے کا الزام دیا۔ ہم شاید یہ بھول جاتے ہیں کہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک بین الاقوامی کاروباری ادارے ہیں' مسلمانوں کو خیرات ڈالنا ان کے منشور کا حصہ نہیں کہ وہ جھولی میں پیسے ڈالتے چلے جائیں اور اس کی ادائیگی کے بارے سوچنا ترک کر دیں۔ چنانچہ جب اس بین الاقوامی ہوشیار بنئے کی تشفی کراتے ہوئے حکومت پاکستان نے اقتصادی اصلاحات کے نظام اور اوقات کے بارے میں سنجیدہ طرز عمل اپنایا' بدنام مشیر وی اے جعفری کو ہٹا دیا' حقیقت پسندانہ انداز میں پروگرام وضع کیا اور ہمہ وقت وزیر خزانہ مقرر ہوا تو آئی ایم ایف نے حکومت پاکستان کے پیش کردہ اصلاحی پروگرام کا جائزہ لینا منظور کر لیا۔ چنانچہ ۲۲/۱ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو فریقین کے مابین معاہدے کا مسودہ اتفاق رائے سے تیار ہوا اور طے پایا کہ آئی ایم ایف کے انتظامی بورڈ کی منظوری کے بعد قرضے کی اگلی قسط جاری کر دی جائے گی۔ اس دوران آئی ایم ایف کی ایک ٹیم پاکستان پہنچی تاکہ مختلف نوعیت کے ریکارڈ کی جانچ پڑتال کی جا سکے۔ ابھی معاہدے پر باضابطہ دستخط ہونے باقی تھے کہ بے نظیر حکومت نے قرضہ بحال ہو جانے کا مژدہ قوم کو ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعے سنا دیا۔ خبر سنتے ہی یار لوگوں

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

قیمت : ۸ روپے

الہدیٰ

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اے اہل ایمان ' اللہ اور اس کے رسولؐ سے آگے مت بڑھو '

(کہ اگرچہ ہر مسلمان اپنی انفرادی حیثیت میں اس حکم الٰہی کا مخاطب ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام سے تجاوز مت کرو مگر مسلمانوں کی سیاسی وملی زندگی کے بارے میں بالخصوص یہ آیت مبارکہ ایک بہت اہم اصول کا پتا دیتی ہے کہ اسلامی ریاست میں قانون سازی اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کے دائرے کے اندر اندر ہی کی جاسکے گی۔ تاہم یہ خیال کرنا بھی درست نہ ہوگا کہ ریاست اسلامی میں قانون سازی کا دائرہ بہت محدود ہو جائے گا بلکہ یہ امر واقعہ ہے کہ اسلامی ریاست میں قانون سازی کے لئے ایک وسیع میدان موجود ہے۔ اس لئے کہ یوں نہیں کہا گیا کہ صرف وہ قانون بنایا جاسکے گا جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا واضح حکم موجود ہو بلکہ اصول یہ دیا گیا ہے کہ اسلامی ریاست میں کوئی ایسی قانون سازی نہیں کی جاسکے گی جس سے اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر آنچ آتی ہو۔ شریعت نے زندگی کے ہر گوشے میں واضح ہدایات بھی دی ہیں اور اس آخری حد کی نشاندہی بھی کر دی ہے جہاں تک ایک بندۂ مومن بلا روک ٹوک جاسکتا ہے اور جس سے آگے محرمات کی باڑھ ا-ستادہ ہے۔ درمیان میں مباحات کا وسیع میدان ہے جس میں مسلمان باہمی مشورے یا کثرت رائے سے قانون سازی کر سکتے ہیں۔ ہاں اللہ اور اس کے رسولؐ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز کرتے ہوئے جو قانون سازی بھی کی جائے گی اسے خواہ پارلیمنٹ کے صد فیصد ارکان مکمل اتفاق رائے سے منظور کریں ' ایک صحیح اسلامی ریاست میں اسے قانون کا درجہ ہرگز نہیں دیا جاسکتا۔ اس سیاق وسباق میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مملکت خداداد پاکستان کے دستور کی یہ دفعہ کہ "یہاں کوئی ایسی قانون سازی نہیں کی جاسکے گی جو قرآن وسنت سے متصادم ہو" آیت زیر نظر کی بہت خوبصورت تعبیر ہی نہیں اس کے مدعا ومقتضا کو بھی باحسن وجوہ پورا کرتی ہے۔ ہاں شرط یہ ہے کہ اس دفعہ کو محض رہنما اصولوں ہی میں شامل نہ ہونا چاہیے ' اسے فی الفور پورے طور پر نافذ العمل بھی ہونا چاہیے)۔

اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو ' بلاشبہ وہ سننے جاننے والا ہے ○

(قانون اپنی جگہ کتنا ہی متوازن اور مکمل کیوں نہ ہو اس کی روح کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو وہ بازیچہ اطفال بن کر رہ جاتا ہے۔ احکام دین کے معاملے میں تقویٰ کو روح کا مقام حاصل ہے۔ یہ روح اگر مفقود ہو تو دین وشریعت بھی کھیل تماشے کے موضوع بن کر رہ جاتے ہیں۔ پھر قانون وشریعت کی آڑ میں گھناؤنے کھیل اس چابک دستی سے کھیلے جاتے ہیں کہ الفاظ کی حد تک شریعت کی پیروی تو ہوتی ہو لیکن احکام شریعت کا منشا ومقصود کسی طور پورا نہ ہوتا ہو بلکہ منشائے الٰہی کی صریح خلاف ورزی اس سے لازم آتی ہو۔ پس اصل اہمیت کی چیز خدا ترسی ہے۔ کہ ہر دم یہ فکر دامن گیر رہے کہ کہیں نادانی میں بھی میرا کوئی قدم معصیت کی دلدل میں نہ جا پڑے اور میرا کوئی عمل پروردگار کی ناراضگی کا باعث نہ بن جائے ' کہ میرا رب تو ہر چیز سے باخبر ہے اور اسے ناراض کرنے میں سراسر خسارہ ہی خسارہ ہے) (سورۃ الحجرات ' آیت نمبر۱)

جوامع الکلم

مومن اور ایمان کی مثال ایک ایسے گھوڑے کی ہے جو اپنے کھونٹے سے بندھا ہو ' وہ گھومتا پھرتا ہے پھر اپنے کھونٹے کی جانب لوٹ آتا ہے۔ مومن سے بھی خطا کا صدور ہو جاتا ہے لیکن پھر وہ ایمان کی طرف لوٹ آتا ہے۔

(کہ جس طرح ایک گھوڑا اپنے کھونٹے کے گرد اسی قدر گھوم پھر سکتا ہے جس حد تک کہ اس کی رسی اسے اجازت دے ' اسی طرح اہل ایمان بھی اپنے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں اسی حد تک آزاد ہیں جہاں تک دین وشریعت نے انہیں آزادی دی ہے۔ ایک بندہ مومن کیلئے ایمان ایک مضبوط کھونٹے کا کام کرتا ہے کہ کسی وقت نادانی میں اگر خطا کا صدور ہو بھی جائے تو وہ گناہ اور معصیت کی راہ پر بگٹٹ دور نہیں لگتا بلکہ قوت ایمانی اس کے پاؤں کی بیڑی بن جاتی ہے اور وہ خیر وصلاح کے راستے پر واپس پلٹ آتا ہے) (الحدیث)

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

○

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد ۵ شمارہ ۴۴
۲/ دسمبر ۹۶ء

24

ایڈیٹر
حافظ عاکف سعید

○

یکے از مطبوعات
تحریک خلافت پاکستان
۴ ۔ اے، مزنگ روڈ، لاہور

مقام اشاعت
۳۶ ۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون : ۳-۵۸۶۹۵۰۱

○

پبلشر : محمد سعید اسعد طابع : رشید احمد چودھری
مطبع : مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

○

قیمت فی پرچہ : ۸ روپے

سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) ۱۵۸ روپے

○

زرتعاون برائے بیرون پاکستان
☆ ترکی، اومان، مصر ۱۳/ امریکی ڈالر
☆ سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، یورپ، جاپان ۲۰ امریکی ڈالر
☆ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ ۲۶ امریکی ڈالر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ایڈیٹر کے ڈیسک سے!

پاکستانی قوم اس وقت دو اعتبارات سے حالات انتظار میں ہے۔ ایک "احتساب" کے حوالے سے کہ اس تھیلے سے بلی کب برآمد ہوتی ہے اور دوسرے "انتخاب" کے حوالے سے کہ نوے دن کا وعدہ اس بار کس شکل میں ایفا ہوتا ہے۔ ماضی میں اس حوالے سے بہت تلخ تجربات اس قوم کو ہو چکے ہیں۔ لہٰذا ایک نمازی اور بہت حد تک نیک نام صدر کی بار بار یقین دہانی اور ایک شریف النفس اور بااصول نگران وزیر اعظم کی جانب سے اس عزم کے بتکرار اظہار کے باوجود کہ انتخابات مقررہ مدت کے اندر اندر ہی ہوں گے، قوم تاحال اس بارے میں شکوک و وساوس کو اپنے ذہن سے جھٹکنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ اور ایک بے یقینی کی سی کیفیت ہر سو طاری نظر آتی ہے۔ یوں بھی صدر اور وزیر اعظم کے بیانات اگر ایک جانب اس امکان کی تائید کرتے ہیں کہ انتخابات وقت مقررہ کے اندر ہوں گے تو دوسری جانب ان کا احتساب کے عمل پر غیر معمولی زور دینا اور احتساب کا نعرہ بلند کرنے والوں کی آگے بڑھ کر پیٹھ تھپکنا اس شے کو تقویت دیتا ہے کہ "احتساب" کی آڑ میں انتخابات کو موخر کرنا خارج از امکان نہیں۔ مزید براں نگران حکومت کی کابینہ کے ارکان پر اگر نظر دوڑائی جائے تو وہ تمام نیک توقعات اور خوش فہمیاں دم توڑتی محسوس ہوتی ہیں جو شروع میں نگران حکومت سے وابستہ کر لی گئی تھیں۔ اس لئے کہ احتسابی عمل کے ٹھیکیداروں کا اپنا دامن کردار اگر داغدار اور آلودہ ہو تو یہ پورا عمل ہی مشکوک اور ناقابل اعتبار ٹھہرتا ہے۔ انتخابی سیاست کے اکھاڑے میں اترنے والے ایک نئے پہلوان عمران خان کی آمد جس انداز میں اور جس سیاق و سباق میں ہوئی ہے اس نے بھی معاملے کو مزید الجھا دیا ہے کہ آئندہ چند ماہ میں وہ پاکستانی سیاست میں کیا رول پلے کرنے والے ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ موجودہ حالات میں یقین کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے کہ ملکی سیاست کا یہ اونٹ آخر کس کروٹ بیٹھے گا!--- اور نہیں معلوم کہ یہ ڈرامہ بالآخر کیا سین دکھائے گا۔ نگاہیں پردہ اٹھنے کی منتظر ہیں۔

تاہم ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ یہ ڈرامہ بس انہی کرداروں پر مشتمل نہیں ہے جو سٹیج پر نظر آ رہے ہیں بلکہ درحقیقت پس پردہ وہ عالمی قوتیں بھی کارفرما ہیں جن کا اثر و نفوذ پاکستان کے حکومتی معاملات میں اس درجے بڑھ چکا ہے کہ یہ کہنا تو اگرچہ مبالغہ ہو گا کہ ان کی مرضی کے بغیر یہاں اب پتہ بھی نہیں ہل سکتا' تاہم یہ امر واقعہ ہے کہ حکومتوں کے نصب و عزل کا معاملہ ان طاقتوں کے "اذن" پر موقوف ہے۔ قومی اسمبلی میں بھاری اکثریت رکھنے والے وزیر اعظم نواز شریف سے بالجبر استعفاء دلوا کر معین قریشی کو نگران وزیر اعظم بنوانے والا کون تھا؟ یہ یہود کا عالمی مالیاتی استعمار ہے جس کے چنگل میں ہم پورے طور پر گرفتار ہو چکے ہیں۔ ہماری تمام حکومتیں خواہ وہ پی پی پی کی حکومت ہو یا مسلم لیگ کی' ان سے ڈکٹیشن لینے پر مجبور ہیں۔ یہ عالمی استعمار پاکستان کو ہر اعتبار سے اپنا غلام بنانے پر ادھار کھائے بیٹھا ہے۔ کسی حکومت کو ان کے احکامات سے سرتابی کی مجال نہیں کہ نواز شریف حکومت کا انجام سب کے سامنے ہے۔ اور ان کی ڈکٹیشن بے چون و چرا ماننے اور ان کے "نازل کردہ احکامات" کی بسرو چشم تعمیل کرنے والی حکومت بھی یہاں زیادہ دن عیش کے مزے نہیں لوٹ سکتی کہ ایسی کٹھ پتلی حکومت بہت جلد عوام کی حمایت سے محروم ہو کر نفرت کی علامت بن جاتی ہے۔ اور ایک وقت آتا ہے کہ "چہرے کی تبدیلی" ان عالمی طاقتوں کی ایک ضرورت بن جاتی ہے۔ اور وہ حکومت جو کل تک ان کی منظور نظر تھی' اس سے ایک حد تک اپنا کام نکلوانے کے بعد اسے ٹھوکر مار کر ایوان حکومت سے باہر پھینک دیا جاتا ہے۔ بے نظیر حکومت کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔ ہمارے ملک کا اقتصادی اعتبار سے تو دیوالیہ نکل ہی چکا ہے۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے بقول نگران حکومتوں کے ذریعے کچھ "قرق امین" قوم پر مسلط کر دیئے گئے ہیں جو معین قریشی اور شاہد جاوید برکی کی شکل میں آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے نمائندے بن کر کچھ وصول کر کے چلتے بنتے ہیں۔ گویا ہمارا شمار ان قوموں میں نہیں ہے کہ جو اپنی تقدیر خود تحریر کرتی ہیں' بقول اقبال ؎

خدا آن ملتے را سروری داد　　　که تقدیرش بدست خویش بنوشت

بلکہ ہم ع ۔ "نے ہاتھ باگ پر ہے' نہ پا ہے رکاب میں" کی مجسم تصویر ہیں۔ تمام اہم قومی و ملکی حالات میں ہماری ڈور کہیں اور سے ہلائی جاتی ہے۔

چہرے کی تبدیلی سے روز افزوں گرانی میں کوئی کمی آتی ہے نہ ہمارے الجھے ہوئے قومی مسائل حل ہوتے ہیں' ہاں وقتی طور پر فضا کا تکدر ڈھل جاتا ہے۔ عوام خوشنما مستقبل کی توقع میں نئی مشقت جھیلنے اور گرانی کا نیا عذاب جھیلنے کے لئے ذہنی طور پر آمادہ ہو جاتے ہیں لیکن کچھ ہی عرصے بعد حسین توقعات دم توڑنے لگتی ہیں۔ یہی کھیل ہمارے ہاں کھیلا جا رہا ہے۔ یہ ہماری نانہجاری اور اللہ سے کئے ہوئے عہد کو توڑنے کی سزا ہے کہ سو پیاز بھی ہمیں کھاتے ہیں اور سو جوتے بھی۔ جب تک نظام جڑ سے نہیں بدلتا محض چہروں کی تبدیلی جوتے اور پیاز کے الٹ پھیر سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی کہ اس تبدیلی کا حاصل سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ عوام کے ذہنی اور اعصابی تناؤ میں وقتی طور پر اس سے کچھ کمی آ جاتی ہے۔ نظام کی تبدیلی کا واحد راستہ انقلاب کا راستہ ہے۔ جس کے لئے جڑ بنیاد سے کام کرنے اور محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ انتخابی سیاست کی راہ سے نظام کی تبدیلی کا خواب دیکھنا جنت الحمقی میں بسنے کے مترادف ہے۔ خواہ یہ خواب قاضی صاحب دیکھ رہے ہوں یا عمران خان! ○○

پیپلز پارٹی کا "انکل گروپ" اور مستقبل کے خدشات

"متوقع قائد" کا خیال ہے کہ نوے روز کے اندر احتساب کا نعرہ عوام سے مذاق ہے

دونوں بڑی جماعتیں لوٹ کھسوٹ کو جلد سے جلد شروع کرنے کے لئے انتخابات کا نعرہ لگا رہی ہیں

محمد بدر منیر

انقلاب کی ہوائیں چل پڑی ہیں!

یہ ہوائیں آہستہ آہستہ تیز تر ہوتی جا رہی ہیں اور شاید یہ سال ہی فیصلہ کن ثابت ہو جائے۔ صدر فاروق احمد خان لغاری نے بڑی ذہانت کے ساتھ اسمبلیاں توڑ کر اور نوے روز کے اندر اندر عام انتخابات کا اعلان کر کے موجودہ سسٹم کو بچانے اور سابق حکمرانوں کے جزوی تحفظ کا اہتمام کرنے کی سعی کی تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکمران ماضی قریب کے المیہ سے بھی کوئی سبق سیکھنے میں کامیاب نہیں ہوئے اور وہ اپنے محسن کے پلّے جلا جلا کر اپنی شامت کو چیلنج کر رہے ہیں۔ جس طرح موجودہ حکمرانوں کے بانی حکمران نے جنرل ضیاء الحق کو للکار للکار کر اپنی گردن میں موت کا پھندا کس لیا تھا حالانکہ ضیاء الحق درگزر سے کام لینا چاہتے تھے اور شاید عام انتخابات بھی مقررہ نوے روز کے اندر منعقد کرا کے بیرکوں میں واپس چلے جاتے لیکن "بڑے صاحب" نے ملتان اور پھر لاہور میں ضیاء الحق کو جس انداز میں چیلنج دیا اس کے باعث ضیاء الحق کو اپنے منصوبے پر نظرثانی کرنی پڑی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار پھر آموختہ دہرانے پر مجبور کیا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں سروں کی فصل لہلہا سکتی ہے اور درانتیوں کی رفتار تیز سے تیز تر ہو سکتی ہے۔ سردار فاروق احمد خان نسلی طور پر جاگیردار ہیں لیکن مزاجی لحاظ سے وہ ایک نرم خو انسان ہیں۔ ملک معراج خالد بھی شریف' وضع دار اور تشدد کی سیاست سے خود کو سینکڑوں میل دور رکھنے کے قائل ہیں لیکن بی بی صاحبہ ان دونوں حضرات کی نرمی کو گرمی میں بدلنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی ہیں۔

سردار فاروق احمد خان ایک بار پھر پیپلز پارٹی کے "انکل گروپ" کو سامنے لے آئے ہیں' بی بی صاحبہ جن "انکلوں" سے متنفر اور بیزار تھیں اب وہ ابھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ وہ کام جو ممتاز علی بھٹو' غلام مصطفیٰ جتوئی اور انکل معراج خالد کئی سال کی جدوجہد کے باوجود نہ کر سکے تھے وہ پل بھر میں ہو گیا۔ مرتضیٰ بھٹو کے قتل نے اچانک ہی سیاست کا منظر تبدیل کر دیا۔ مرتضیٰ کے خون نے آندھیوں کا رخ تبدیل کر دیا۔ جتوئی اور ممتاز ایک صف میں کھڑے ہو گئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے عبدالحفیظ پیرزادہ اور میر ہزار خان بجارانی اور غنویٰ بھٹو نے بھی حالات کا صحیح جائزہ لے کر خود کو "انکل گروپ" کے ساتھ وابستہ کر لیا' جس کے نتیجے میں اپوزیشن کی دوسری جماعتوں کی ہمدردیاں غنویٰ کے ساتھ ہو گئیں اس طرح بے نظیر کے مقابلے میں غنویٰ نے زیادہ دانشمندی کا مظاہرہ کیا اور اپنا اور اپنے بچوں کا خاندانی و سیاسی مستقبل محفوظ کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔ بشرطیکہ موجودہ سیاسی تناظر موجود رہا اور اس میں وہ تبدیلیاں رونما نہ ہوئیں جن کے بارے میں بعض اشارے بڑے واضح دکھائی دے رہے ہیں۔

انہی کالموں میں قبل ازیں ایک متوقع قائد کے خیالات قارئین کرام کی خدمت میں گوش گزار کر چکا ہوں (اگرچہ ان کی شیڈو کیبنٹ کے دو حضرات موجودہ کابینہ میں بھی شامل ہیں اور سب سے اہم محکموں کے بااختیار سربراہ ہیں) انہوں نے "نوے دن کا لطیفہ" خود پر لاگو کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ وہ سنجیدہ سیاست دان ہیں اور مسخرے کا کردار ادا کرنے کو تیار نہیں۔ انہوں نے نوے دن کے اندر احتساب کو ایک مذاق قرار دیا اور اپنے اس خیال کا اظہار کیا کہ ملک میں جس وسیع پیمانے پر لوٹ کھسوٹ ہوئی ہے اور قوم کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک کیا گیا ہے اس کا احتساب تو کجا اس کے صحیح اعداد و شمار بھی نوے روز میں دستیاب نہیں ہو سکتے۔ اور یہ تصور بھی اپنی جگہ ایک لطیفہ ہے کہ نگران حکومت احتساب کی کوئی مستقل اور "فول پروف" انتظام کر سکتی ہے۔! یہ سب عوام سے ایک تلخ مذاق سے زیادہ نہیں۔ دونوں بڑی جماعتوں کو پاکستان اور عوام کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ان میں سے ایک فوری طور پر انتخابات اس لئے چاہتی ہے کہ تا کہ وہ برسراقتدار آ کر نوے روز کی لوٹ مار میں کمی کو جلد سے جلد پوری کر سکے اور دوسرا فریق برسراقتدار آ کر اپنی لوٹ کھسوٹ کو وہیں سے شروع کرنا چاہتا ہے جہاں سے اس نے ۱۹۹۳ء میں چھوڑا تھا۔ مذکورہ قائد کے بقول ان میں سے کسی نے بھی اپنے پروگرام کا اعلان اب تک نہیں کیا ہے۔ اور نہ ان میں سے کسی میں یہ اعلان کرنے کی جرات ہے کہ وہ "منی بجٹ" واپس لے لیں گے۔ ۴۱ ارب روپے کا اضافی ٹیکس' روپے کی قیمت میں بلاجواز کمی اور پٹرول کی قیمت میں اضافے کے اقدامات کو کم سے کم ضرر رساں بنانے کی کوشش کریں گے وغیرہ وغیرہ۔

○

ان سطور کی اشاعت تک احتساب کا نعرہ کیا رخ اختیار کرتا ہے' اس کے آثار واضح دکھائی دے رہے ہیں۔

سڑکوں پر چہل پہل شروع ہو چکی ہے' جماعت اسلامی کے سربراہ قاضی حسین احمد نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ ایک منظم جماعت خواہ اس کی تعداد کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو وہ غیر منظم ہجوم پر غالب آ جاتی ہے۔ قاضی صاحب کے افکار و خیالات اور ان کے مظاہروں کے اثرات سے قطع نظر یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ قاضی صاحب کے دھرنے کے باعث صدر فاروق لغاری کو اپنے فیصلے پر عملدرآمد کرنے میں بڑی آسانی ہوئی۔ فیصلہ اگرچہ دو ماہ قبل ہی ہو چکا تھا لیکن مرتضیٰ بھٹو کے قتل نے اس کی رفتار تیز کر دی اور بالآخر قاضی حسین احمد کے "دھرنے" نے

(باقی صفحہ پر)

مولانا ابوالکلام اور جہاد فی سبیل اللہ

کیا قرآن مسلمانوں کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر قسم کے جھگڑے کو جہاد فی سبیل اللہ سمجھیں؟

مولانا اخلاق حسین قاسمی (دہلی)

قرآن کریم کی آیات جہاد کے بارے میں جو غلط فہمیاں فرقہ پرست گروہ پھیلا رہا ہے اس خطرہ کو مولانا ابوالکلام آزادؒ نے آج سے تیس چالیس برس پہلے ہی بھانپ لیا تھا۔ چنانچہ مولانا نے معارف اعظم گڑھ کے ایڈیٹر مولانا شاہ معین الدین ندوی سے فرمایا کہ علماء کو بیٹھ کر ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی تعلق کی مذہبی نوعیت کو طے کرنا چاہئے۔ مولانا کی ہدایت پر ندوی صاحب نے معارف (مارچ ۶۵ء) کے نظرات میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی کتاب عرب ہند تعلقات کے حوالوں سے اس مسئلہ کو صاف کیا۔

سوال یہ ہے کہ قرآن کریم نے جن آیات میں مشرکین سے لڑنے کا حکم دیا ہے وہ کون سے مشرکین ہیں اور قرآن کریم کی آیات جہاد و قتال کا مورد و محل اور شان نزول کیا ہے؟ اور کیا قرآن ہر غیر مسلم کو مارنے اور اس سے لڑنے کی ہدایت کرتا ہے اور کیا قرآن ایمان والوں کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر قسم کے جھگڑے کو جہاد سمجھیں اور بس لڑنے مرنے کے سوا اور دوسرا کوئی کام نہ کریں۔

سیاسی لیڈروں نے ووٹ اور نوٹ کی جنگ میں قرآن اور اسلام کو جس بے دردی کے ساتھ استعمال کیا یہ اس کا نتیجہ ہے جو ہندوستانی مسلمانوں کو بھگتنا پڑ رہا ہے' اور نہ صرف ہندوستانی مسلمان اس رد عمل میں گرفتار ہیں بلکہ پاکستان کے اندر بھی اس غلط استعمال کے ثمرات مسلمانوں کے سامنے آرہے ہیں۔ دیوبندی' بریلوی اور حنفی اور سلفی کے درمیان جو فروعی اختلافات ہیں وہ خانہ جنگی کی صورت اختیار کر گئے ہیں اور اسے ہر فریق اسلامی جہاد قرار دے رہا ہے۔

بنگلہ دیش کی خانہ جنگی میں بہاری مسلمانوں پر اسلامی جہاد کے نام پر تشدد کیا گیا اور ان کی املاک کو مال غنیمت کہہ کر لوٹا گیا۔

ایران و عراق کی جنگ ایک سیاسی لڑائی تھی لیکن اسے بھی اسلامی جہاد کہا گیا اور مرنے والے دونوں محاذوں پر مسلمان تھے اور دونوں فریق اپنے مقتولوں کو شہید فی سبیل اللہ قرار دے رہے تھے۔ یہ تصور کتنا مضحکہ خیز ہے جس سے مذہب اسلام کا تقدس پامال ہو رہا ہے۔

مولانا آزاد نے آیات جہاد پر جو تفسیری نوٹ تحریر فرمایا ہے وہ باوجود اختصار کے اس مسئلہ کی مکمل وضاحت کرتا ہے۔ ترجمان القرآن جلد دوم سورۂ توبہ میں ایک تفسیری حاشیہ یہ ہے :

"یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہاں لڑائی کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا تعلق صرف ان مشرک جماعتوں سے تھا جو عرب میں دعوت اسلام کی پامالی کے لئے لڑ رہی تھیں نہ کہ دنیا جہاں کے تمام مشرکوں کے لئے۔ چنانچہ اول سے آخر تک خطاب خاص جماعتوں سے ہے اور صاف لفظوں میں واضح کر دیا گیا ہے کہ ان جماعتوں نے کس طرح عہد شکنی کی اور کس طرح خود ہی جنگ کے اعادہ کا باعث ہوئے۔ نیز جنگ اور ظلم کی ابتدا کرنے والے بھی وہی ہیں"۔ (جلد دوم ص ۷۶)

یہ سورۂ توبہ کی ابتدائی آیات پر وضاحت تحریر کی ہے۔ پھر سورۂ توبہ کے آخر میں اس کی وضاحت فرماتے ہیں :

"یاد رکھنا چاہئے کہ یہ اور اس طرح کے احکام احکام جنگ میں سے ہیں نہ کہ معیشت اور علائق کے عام احکام ---- جہاں تک ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ معاملہ کرنے کا تعلق ہے' قرآن کہتا ہے اصل (اہمیت) اس باب میں محبت و شفقت' ہمدردی و سلوک' تعاون و سازگاری ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سب سے زیادہ اعتراف اسی حقیقت کا ہوتا ہے۔ "اللهم اشهد ان الناس كلهم اخوه" (مسلم و ابوداؤد) "اے خدا میں گواہی دیتا ہوں کہ تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں"۔ (جلد دوم ص ۱۳۶)

قرآن کی دعوت امن

مولانا آزاد نے مختلف آیات کی تشریح کرتے ہوئے اسلام کی دعوت کو امن و سلامتی کی دعوت قرار دیا ہے۔ سورۂ انفال کی آیت (۶۱) میں حکم دیا گیا۔

"اور دیکھو اگر دشمن صلح کی طرف جھکیں تو چاہئے کہ تم بھی اس کی طرف جھک جاؤ اور ہر حال میں اللہ پر بھروسہ رکھو جو سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے"۔

مولانا نے اس پر تشریحی نوٹ یہ لکھا ہے :

اور آیت ۶۱-۶۲ میں قطعی لفظوں میں قرآن کی دعوت امن کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ جنگ بدر کے فیصلہ نے مسلمانوں کی فتح مندی آشکارا کر دی تھی اور تمام جزیرۂ عرب ان کی طاقت سے متاثر ہونے لگا تھا تاہم حکم ہوا کہ جب کبھی دشمن صلح و امن کی طرف جھکیں' چاہئے کہ تم بھی بلا تامل جھک جاؤ۔ اگر اس کی نیت میں فتور ہو گا تو ہوا کرے اس کی وجہ سے صلح و امن کے قیام میں ایک لمحہ کے لئے بھی دیر نہیں کرنا چاہئے۔ (جلد دوم ص ۶۸)

سورۃ المائدہ (۲) میں حکم دیا گیا :

"اور دیکھو ایسا نہ ہو کہ ایک گروہ کی دشمنی تمہیں اس بات پر ابھار دے کہ زیادتی کرنے لگو' کیونکہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا تھا (تمہارا دستور العمل تو یہ ہونا چاہئے) لیکن پرہیزگاری کی بات میں ایک دوسرے کی مدد کرو' گناہ اور ظلم کی بات نہ کرو"۔

اس پر مولانا تشریحی نوٹ لکھتے ہیں :

"مشرکین مکہ نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا تھا تو اب اس کے انتقام میں ایسا نہ کرو کہ ان کی جو جماعت حج و زیارت کے لئے جا رہی ہو اسے

روک دو یا اس پر حملہ کر دو۔ ایک دوسرے کے ساتھ معاملہ کرنے میں تمہارا دستور العمل یہ ہونا چاہئے کہ نیک کام میں مدد کرنا برائی میں نہ کرنا' وہ ظلم کریں تو یہ برائی ہے۔ اس میں مدد نہ کرو' لیکن اگر حج و زیارت کو جائیں تو یہ بھلائی کی بات ہے اس میں رکاوٹ نہ ڈالو؟۔ اس آیت میں جو کچھ بتایا گیا ہے وہ مسلمانوں کے تمام کاموں کے لئے ایک عام دستور العمل ہے جو کوئی نیک کام کرے اس کی مدد کرو اگرچہ مسلمان نہ ہو اور اگرچہ مخالف ہو' جو کوئی برائی کرے اس کی مدد نہ کرو اگرچہ مسلمان ہو اور اگرچہ تمہارا ساتھی ہو۔ نیز یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ اگر بت پرست بھی خدا کی تعظیم و عبادت کی کوئی بات کریں تو اس کی بے حرمتی نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ خدا کی تعظیم و عبادت بہرحال خدا ہی کی تعظیم و عبادت ہے"۔ (جلد دوم ص ۳۸۲)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی (مرحوم) نے بھی اپنی کتاب الجہاد میں قرآن کریم' اسوۂ رسول اور معمول صحابہ کرامؓ کی ترجمانی میں اعتدال فکر کو قائم نہیں رکھا۔ اور ایسی بات تحریر کر دی جس سے دنیا کی وہ تمام غیر مسلم قومیں جن سے مسلمان قوم کا باقاعدہ تحریری شرعی معاہدہ نہیں' حربی اور برسرجنگ قومیں قرار پاگئیں اور مرحوم نے اس طرح اپنے انتہاپسندانہ فکر کا مظاہرہ کرتے ہوئے موادعت (عملاً جنگ و دشمنی) اور عدم موادعت کے درمیان کوئی تیسری صورت تسلیم نہیں کی اور اسے اسلام کی طرف منسوب کر دیا۔ (الجہاد ص ۲۴۴)

الجہاد مودودی صاحب کی ابتدائی تصنیفات میں سے ہے' پاکستان بننے کے بعد مودودی صاحب کے فکر میں اعتدال پیدا ہوا اور مرحوم نے یہ فتویٰ دیا کہ پاکستان کے غیر مسلم (ہندو' سکھ' عیسائی) برصغیر کی آزادی کے باہمی معاہدہ کے ذریعہ پاکستان کے برابر درجہ کے شہری ہیں ان سے وہ خاص ٹیکس نہیں لیا جا سکتا جسے فقہ اسلامی میں جزیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ (رسائل و مسائل' حصہ پنجم)

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جزیہ غیر مسلم اقلیت پر کفر ٹیکس کے طور پر نافذ نہیں ہوتا بلکہ فوجی خدمت سے مستثنیٰ ہونے اور میدان جنگ میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔ ابتداء اسلام میں فوجی خدمات لازمی تھیں' لیکن اسلام نے اسے انصاف کے خلاف سمجھا کہ غیر مسلموں کو بھی جنگ میں حصہ لینے کے لئے مجبور کیا جائے بلکہ انہیں آزاد چھوڑ دیا' چاہیں تو وہ دفاعی خدمات میں حصہ لیں اور چاہیں تو حصہ نہ لیں اور اپنے کاروبار میں مشغول رہیں لیکن اس کے عوض وہ سالانہ ایک مناسب ٹیکس ادا کر دیا کریں جو ملک کی دفاعی سرگرمیوں پر خرچ کیا جائے"۔ (ترجمان القرآن' جلد دوم' ص ۱۲۳)

کتنی معقول اور دلنشیں توجیہ اور تشریح ہے جو مولانا آزاد نے جزیہ کے بارے میں کی ہے' اس کے مقابلے میں ذرا اس گھمنڈ اور جارحانہ انداز کی داد دیجئے جو اسلامی نظام قائم کرنے والے قلم پر طاری ہوا ہے۔

"یہ اس آزادی کی قیمت ہے جو انہیں اسلامی اقتدار کے تحت اپنی گمراہیوں پر قائم رہنے کے لئے دی جاتی ہے"۔ (مختصر تفہیم ص ۳۱۲)

اس انداز سے وہ قوم اسلامی نظام قائم کر سکتی ہے جو خود ہر لحاظ سے مادی اور اخلاقی دونوں پہلوؤں سے ایک قابل رحم قوم بن چکی ہے؟

مولانا اشرف علی تھانویؒ کا شرعی اجتہاد

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی تحریک آزادی میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی جماعت سے الگ راہ رکھتے تھے لیکن اس بنیادی مسئلہ میں حضرت تھانوی کو ان کی سیاسی رائے نے حد اعتدال سے باہر جانے پر مجبور نہیں کیا اور یہ حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت نانوتویؒ اور ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے مجاہد مولانا گنگوہی کی روحانی تربیت کا اثر تھا۔ مولانا تھانویؒ نے اس درمیانی صورت کو جس میں غیر مسلم قوموں سے باقاعدہ تحریری معاہدہ نہ ہو عہد عملی سے تعبیر کیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کا اصل الاصول اور مستقل دستور العمل دنیا کے عام امن پسند غیر مسلموں کے ساتھ امن و سلامتی اور ہمدردی اور سازگاری ہے۔

مولانا تھانویؒ کی طرف سے پاکستان کے مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

"پھر فرمایا' مدت سے میرا ایک خیال ہے وہ یہ کہ غیر مسلموں سے جیسے باقاعدہ زبانی یا تحریری عہدہ ہو جاتا ہے تو اس کی پابندی مسلمانوں پر لازم ہو جاتی ہے اسی طرح بعض اوقات عملی عہد ہوتا ہے کہ باہمی معاشرت اور تعامل سے فریقین ایک دوسرے سے مامون و بے خطر ہوں' باہمی معاملات اور لین دین وغیرہ جاری ہو' یہ بھی ایک نوع عہد عملی کی ہے اس کی بھی رعایت کرنا ضروری ہے کہ اگر کسی وقت بطور دفاع بھی ایسے لوگوں پر حملہ کرنا ہے تو پہلے انہیں نبذ عہد (عہد ختم کرنا) کے طور پر متنبہ کر دیا جائے کہ اب ہم سے مامون نہ رہیں (ہم سے اپنی حفاظت کا انتظام کریں) پھر طرفین کو اپنے اپنے فعل کا اختیار ہے اور بغیر نبذ عہد کے ایک قسم کا غدر ہے جو کہ شریعت اسلامی میں کسی حال میں کسی غیر مسلم سے جائز نہیں"۔

جمعیت علماء ہند کے رہنماؤں (مولانا محمد میاں صاحب مفتی ہند اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم عمومی جمعیت علمائے ہند) نے ہندو مسلمانوں کے درمیان تعلق کی مذہبی حیثیت کو واضح کرنے کے لئے یہ اعلان کیا کہ جو مذہبی فتویٰ کی حیثیت رکھتا ہے کہ دستور ہند ہندو اور مسلمانوں کے درمیان ایک تحریری معاہدہ ہے اور اس ملک میں دونوں قومیں امن وآزادی کے معاہدہ کے ساتھ باعزت شہری کے طور پر ملک کی تعمیر و ترقی میں شریک ہیں۔ (۲ جنوری ۴۷ء)

ہندوستان کے سیکولر دستور کو غیر اسلامی دستور کہہ کر مسلمانوں میں بددلی اور مایوسی پیدا کرنے کی کوششوں کو ناکام بنانے کے لئے یہ اعلان و فتویٰ اس وقت کا اہم دینی تقاضا تھا۔ اس کے بعد جماعت اسلامی ہند کی طرف سے تجاویز اور تقاریر کے ذریعہ ہندوستان کے سیکولر دستور العمل اور جمہوری نظام کی طرف سے اطمینان کا اظہار کیا گیا اور اگرچہ اختلاف رائے کے سبب ملک کی انتخابی سرگرمیوں میں شامل ہونے کا فیصلہ نہیں کیا گیا مگر جماعت کے ایک باشعور حلقے کی یہ رائے بن گئی کہ ملک کے انتخابات میں حصہ لے کر اچھے نمائندوں کی حمایت کرنی چاہئے۔ صرف تماشائی بنے رہنے سے مسلمان اپنے اخلاقی بلکہ مذہبی فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔

یہی منشا تھا مولانا ابوالکلام آزاد کا' جسے دیر یا سویر تسلیم کر کے اس کے مطابق ہند کے مسلمانوں میں مثبت ذہن پیدا کرنے کی مذہبی راہ سے کوشش شروع کی گئی۔ ڈاکٹر سبرامنیم سوامی اور ان جیسے ہندو دانشور جو اسلام کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہیں انہیں اسلام کے غیر جانبدارانہ تحقیقی مطالعہ کی دعوت کون دے؟ ڈاکٹر صاحب کا ایک طرف ملیانہ کانڈ کی تحقیقات کے لئے مرن برت رکھ کر انصاف پسندی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور دوسری طرف ان کا وہ انٹرویو اخبارات کی فائلوں میں موجود ہے' جس میں انہوں نے آر ایس ایس والوں کو ہوشیار کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ ہندوستانی مسلمان ہندوستان کو دار الحرب (برسرپیکار و جنگ) قوم سمجھتے ہیں اور دار الحرب کو

تلوار سے مسلمان بنانا ان کا فرض ہے۔ (اخبار نو' اکتوبر ۸۷ء)۔

ڈاکٹر سوامی کو کون بتائے کہ وہ سیاسی لیڈروں سے اسلام حاصل نہ کریں بلکہ اسلام کے مستند ماخذ قرآن و حدیث کا تحقیقی مطالعہ کریں۔

اس مطالعہ سے ان پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ اسلام خدا کی تمام مخلوق کو خدا کا کنبہ اور سب کو احسان و محبت کا مستحق قرار دیتا ہے' اور ساری دنیا کو اسلام دار الامن اور انسانی بھائی چارے اور اسلامی عظمت کا گہوارا سمجھتا ہے' البتہ شر و فساد برپا کرنے والی طاقتوں کو نظرانداز کر کے دنیا کو تباہی و بربادی کے حوالہ کرنے کے خلاف ہے۔

مولانا آزاد رحمتہ اللہ علیہ نے ہندو مسلمانوں کے درمیان بھائی چارا اور میل محبت کا تعلق قائم کرنے کی ضرورت کا احساس اسلامی تعلیمات کے گہرے مطالعہ سے حاصل کیا تھا۔ مولانا کا یہ تصور اور یہ مشن سیاسی ضرورت کے تحت نہیں تھا۔

یقیناً تحریک آزادی کی قوت کے لئے بھی ہندو مسلم اتفاق ضروری تھا مگر اس سے زیادہ ضروری اس لحاظ سے تھا کہ ہندوستان میں دعوت حق کا مشن و مقصد اس میل محبت کی فضا کے بغیر پورا نہیں کیا جا سکتا تھا۔

مولانا امت مسلمہ کے اس منصب کی وضاحت کرتے ہیں :

"اسی طرح یہ بات بھی ہوئی کہ ہم نے تمہیں نیک ترین امت ہونے کا درجہ عطا فرمایا تا کہ تمام انسانوں کے لئے سچائی کی شہادت دینے والے تم ہو اور تمہارے لئے اللہ کا رسول شہادت دینے والا ہو یعنی اللہ کے رسول سے تم دعوت حق کا پیغام حاصل کرو اور دنیا کی تمام نسلیں اور قومیں تم سے حاصل کریں"۔ (البقرہ : ۱۴۳) (جلد اول' ص ۲۱۷)

تشریحی حاشیہ میں لکھتے ہیں :

. جب وہ وقت آ گیا تو پیغمبر اسلام ؐ کا ظہور ہوا' اور ان کی تعلیم و تزکیہ سے موعودہ امت پیدا ہو گئی۔ اس امت کو نیک ترین امت ہونے کا نصب العین عطا کیا گیا اور اقوام عالم کی ہدایت اس کے سپرد کی گئی"۔

مولانا نے صاف لفظوں میں مسلمانوں کے نصب العین (دعوت حق) کی ادائیگی کے لئے خدا کی مخلوق کے ساتھ امن و سلامتی اور اخوت و مساوات کے تعلقات کی ضرورت واضح کر دی۔ مولانا نے ایک خطبہ میں اس کی وضاحت اس طرح فرمائی :

"اور میرا عقیدہ ہے کہ ہندوستان میں ہندوستان کے مسلمان اپنے بہترین فرائض انجام نہیں دے سکتے جب تک وہ احکام اسلامیہ کے ماتحت ہندوستان کے ہندوؤں سے پوری سچائی کے ساتھ اتحاد و اتفاق نہ کریں..... فی الحقیقت یہ وہ چیز ہے جو اگر ایک طرف ترک موالات ہمارے سامنے نمایاں کرتی ہے تو دوسری طرف ہندو مسلمانوں کے مسئلہ کو واضح کرتی ہے۔ (خطاب آزاد' ص ۴۵)

مولانا آزاد قومی میل جول اور قومی اتحاد کے نظریہ پر آخری وقت تک قائم رہے' مولانا پر سیاسی اتار چڑھاؤ کے مختلف ادوار آئے لیکن ان کے خیالات میں کوئی فرق نہ پڑا۔

حاصل یہ ہے کہ مولانا آزاد نے انسانی اخوت کی قدروں کو کسی حالت میں نہیں چھوڑا۔ تحریک آزادی میں مولانا کی لڑائی دو محاذوں پر تھی : ایک قومی اتحاد اور ایک آزادی وطن۔ آزادی کی جدوجہد میں مولانا نے کامیابی حاصل کی مگر اتحاد کے محاذ پر مولانا کو شکست ہو گئی اور ملک تین حصوں پر تقسیم ہو کر آزاد ہو گیا۔ مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن بن جانے کے بعد آزاد ہندوستان میں قومی اتحاد کا نام لینا بڑا مشکل تھا۔ اگر مسلمانوں نے اپنا ایک الگ قومی اور مذہبی وطن بنا لیا تھا تو باقی ہندوستان کو ہندو راشٹریہ اور ہندو اکثریت کا قومی وطن بنانے سے کون روک سکتا تھا؟

ہندو راشٹر کا مطلب مسلمانان ہند کا اپنے ہی وطن میں محکوم رعایا کی حیثیت اختیار کر لینا تھا۔ اس لئے مولانا آزاد نے تقسیم کے بعد ہمت نہیں ہاری اور اپنے سیاسی رفقاء گاندھی جی اور پنڈت نہرو کی رفاقت اور حمایت سے ہندوستان کو ایک جمہوری ملک بنانے میں کامیابی حاصل کر لی۔

اب مسلمان ہندوستان میں دوسرے باشندگان وطن کے ساتھ ہندوستان کے باعزت شہری تھے۔ آزاد ہند میں مولانا آزاد کے دو فرض تھے۔ ایک فرض تو یہ تھا کہ ہندو مسلم تعلقات میں پاکستان کی سیاسی جنگ نے جو نفرت بھر دی تھی اس کی جگہ قومی اتحاد' ہندو مسلم بھائی چارہ کے جذبات فروغ پائیں۔ دوسرا فرض یہ تھا کہ مسلمانوں کو ہندو فرقہ پرستی کے دباؤ سے بچائیں اور ان میں محکومی اور غلامی کا احساس پیدا نہ ہونے دیں۔ ہندو مسلمانوں کے درمیان معاشرتی سطح پر اعتماد بحال ہو۔

مولانا نے یہ دونوں فرض اپنے رفقاء کے تعاون سے بڑی خوبی کے ساتھ ادا کئے۔ گاندھی جی' پنڈت نہرو' مولانا حسین احمد مدنی' ڈاکٹر ذاکر حسین' مولانا حفظ الرحمٰن' مولانا احمد سعید' مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اس تاریخی جدوجہد میں مولانا آزاد کے رفیق کار تھے۔

مولانا نے یہ جنگ جیت لی' فسادات کا ہولناک سلسلہ جاری رہا مگر مسلمانان ہند احساس محکومی سے محفوظ رہے۔ مولانا نے جامع مسجد دلی کی تاریخی تقریر میں مسلمانوں کو حوصلہ اور ہمت دیتے ہوئے جو نعرہ دیا وہ ملک کے گوشہ گوشہ میں گونجنے لگا :

"تم اپنی وفاداری کا ثبوت پیش نہ کرو' یہ ملک تمہارا وطن ہے اسی طرح جس طرح دوسری قوموں کا۔ کل تمہارے قافلوں نے جمنا اور گنگا کے کنارے بیٹھ کر وضو کیا تھا' آج تم بھاگ کیوں جا رہے ہو؟ جامع مسجد دہلی کے یہ بلند منارے جھک جھک کر تم سے پوچھ رہے ہیں"۔ (نقد ابوالکلام ص ۳۱۴)

وزارت تعلیم کے دور میں جب ٹنڈن جی اور سیٹھ گووند داس جیسے تنگ نظر لیڈروں نے مولانا پر ہندی کی طرف سے لاپرواہی اختیار کرنے کا الزام لگایا اور وزارت تعلیم کو وہ غیر بھارتی کا طعنہ دیا تو مولانا نے پارلیمنٹ میں فرمایا :

"میری زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب ہے۔ میں نے اپنی زندگی کا نقشہ اب سے ۴۶ سال پہلے بنا لیا تھا۔ جب میری عمر ۱۸ یا ۱۹ برس کی تھی اور آج تک میں اسی پالیسی پر چل رہا ہوں۔ (آزاد نمبر' ص ۱۱۶)

سرسید مرحوم اور آزاد

سرسید مرحوم ۱۸۵۷ء کی تباہی کے بعد جن حالات سے گزرے مولانا آزاد ۴۷ء کی قیامت کے بعد انہی حالات سے دوچار ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں انگریزوں سے سیدھی ٹکر لینے والے مسلمان تھے۔ مسلمانوں پر انگریزوں نے بے پناہ ظلم کئے۔ انقلاب کے بعد ضرورت تھی کہ انگریز حکمرانوں اور مسلمان رعایا کے درمیان اعتماد بحال ہو' نفرت اور دشمنی کے احساسات دور ہوں۔ انگریز حاکم بن چکا تھا' مسلمان اور ہندو دونوں اس کے محکوم تھے۔ اب سرسید اور ان کے رفقاء کے ذمہ دو فرض تھے۔ ایک فرض تھا انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان اعتماد کی بحالی اور دوسرا فرض تھا' خود ہندو

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

اس کے کوئی شواہد نہیں کہ ہیکل سلیمانی مسجد اقصیٰ کی جگہ پر تعمیر ہوا تھا

یہودیوں کی فلسطین واپسی سے برطانوی وزیر خارجہ کا وعدہ پورا ہے' اللہ کا نہیں

یہودیوں کا اپنے مذہب کے ساتھ تعلق ہمیشہ نہایت کمزور رہا ہے

اقوام متحدہ میں موتمر عالم اسلامی کے مستقل نمائندے ڈاکٹر ملک ایس خان کی ایک تقریر کے اقتباسات

حضرت ابراہیمؑ نے ایک عبادت گاہ مکہ میں اور ایک فلسطین میں مقرر کی۔ فلسطین میں مقرر کردہ عبادت گاہ اس وقت بتائل (Betayel)--- عربی میں بیت اللہ --- کہلاتی تھی۔ کعبہ کی تعمیر کے چالیس برس بعد حضرت ابراہیمؑ نے اس دوسری عبادت گاہ کی توسیع کی اور اسے مسجد اقصیٰ یعنی دور واقع عبادت گاہ --- کا نام دیا۔ اس سے حضرت ابراہیمؑ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ عبادت گاہ مکہ سے دوری پر واقع ہے۔

حضرت یوسفؑ اپنے پورے خاندان کو مصر میں لے آئے تاکہ وہ ان کے ساتھ رہ کر خوشحال زندگی بسر کریں۔ حضرت یعقوبؑ' ان کے بیٹوں اور پوتوں کے وہاں سے چلے جانے کے بعد مسجد اقصیٰ کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ اسرائیل کی اولاد کی یہ نقل مکانی ان کی اپنی مرضی سے تھی' انہیں کسی نے جانے پر مجبور نہیں کیا تھا۔

اللہ نے حضرت داؤدؑ کو بادشاہت عطا کی۔ ان کے بیٹے حضرت سلیمانؑ کو بھی بادشاہت عطا ہوئی اور انہوں نے فلسطین پر حکمرانی کی۔ وہ پکے موحد تھے اور انہوں نے کسی سنہری بچھڑے کی پوجا نہیں کی۔ مسجد اقصیٰ' گنبد صخرہ یا اس کے گرد و نواح میں کسی سنہری بچھڑے کے نشان نہ تھے۔ حضرت سلیمانؑ نے اس کے قرب و جوار میں ایک عبادت گاہ تعمیر کی تھی جس کے بارے میں کوئی ثبوت نہیں کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی عبادت گاہ کی جگہ پر تعمیر کی گئی تھی' نہ ہی اس کے شواہد موجود ہیں۔

۵۸۶ قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ بنوک نصر نے فلسطین پر حملے کر کے یروشلم کا محاصرہ کر لیا جہاں ایک بادشاہ جے۔ ہولاچن (Je-holachin) کی حکومت تھی۔ اس وقت اولاد اسرائیل نے اپنے مذہب سے انحراف کرتے ہوئے اپنے نبی دانیالؑ (Daniel) کی نافرمانی اختیار کر کے انہیں جیل میں ڈال رکھا تھا۔ محاصرے کے دوران وہاں کے لوگوں نے یروشلم سے باہر نکل کر اشیاء اور خوراک اندر لانے کے لئے ایک سرنگ کھودی تھی۔ یہی وہ سرنگ ہے جو آج دوبارہ کھودی جا رہی ہے۔ بہرحال جنگ کے دوران سرنگ کا کچھ حصہ گر گیا' بابل والوں نے یروشلم فتح کر لیا' لوگوں کو غلام بنا لیا اور دانیالؑ کو جیل سے رہا کر دیا۔ حضرت دانیالؑ کو رہائی تو مل گئی مگر وہ اپنی قوم کو غلام بنے ہوئے دیکھ کر بہت غمگین ہوئے۔ بہرحال اس سرنگ کی کسی طرح بھی کوئی مذہبی اہمیت نہیں ہے۔

اس کے بعد رومیوں نے اس علاقے کو فتح کیا اور اولاد مومنین (بنی اسرائیل) کے پاس حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ تشریف لائے مگر جودہ (Judah) ایک اسرائیلی نے انہیں دھوکہ دیا اور رومیوں نے اپنے تئیں حضرت عیسیٰؑ کو سولی دے دی۔

اسرائیل کے پیروکاروں کا اپنے مذہب کے ساتھ تعلق ہمیشہ نہایت کمزور رہا ہے اور وہ دو فرقوں میں منقسم رہے ہیں۔ قوت ایمانی سے محروم ہو کر رومیوں کے زیر نگیں رہے۔ حضرت عیسیٰ ان کی نجات کے لئے اللہ کا پیغام لے کر آئے مگر انہوں نے انہیں ماننے سے انکار کر دیا۔ بنی اسرائیل کا لاوی (Laviles) قبیلہ صحرائے عرب میں آکر آخری امی نبی کا' جس کی پیش گوئی کی گئی تھی کہ عرب میں ہوں گے' انتظار کرنے لگا۔ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ جن کی پیش گوئی کی گئی۔ لاوی قبیلہ کے بعض افراد نے نبیؐ کی پیروی کی لیکن اکثریت نے اس لئے ماننے سے انکار کر دیا کہ وہ یہودی نہیں تھے لہٰذا وہ لوگ واپس فلسطین چلے گئے۔

سن ۷۰ء میں فاتح رومیوں نے بیت اللہ کو جلا کر عبادت کے لئے اس میں رومی بت سجا دیئے۔ ۳۱۵ء میں جب کنسٹنٹائن کے مذہب تبدیل کر لینے سے سلطنت روما عیسائی ہو گئی تو رومیوں کی بیت اللہ سے دلچسپی باقی نہ رہی اور اسے عبادت گاہ کی حیثیت حاصل نہ رہی۔ یہودی اور دوسرے لوگ اس جگہ کو کوڑا کرکٹ ڈالنے کے لئے استعمال کرنے لگے۔

۶۲۱ء میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسراء یا معراج کی رات عرش پر تشریف لے گئے۔ اس رات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد مقدس (مسجد اقصیٰ) میں تمام نبیوں کی نماز میں امامت کرائی۔ اس وجہ سے بیت اللہ شریف' مکہ اور مسجد نبوی' مدینہ کے ساتھ مسجد اقصیٰ مسلمانوں کے لئے مقدس عبادت گاہ شمار ہوتی ہے۔ مسجد اقصیٰ کو مسلماون کے قبلہ اول ہونے کی وجہ سے بھی تقدس حاصل ہے۔

۶۱۴ء میں شہنشاہ فارس نے رومیوں کو شکست دی۔ اس کے بعد یہودیوں کو جہاں چاہیں عبادت کرنے کی اجازت تھی مگر انہوں نے مسجد اقصیٰ کو عبادت کے لئے استعمال نہ کیا اس دوران جب انہیں کچھ اختیار حاصل ہوا تو انہوں نے عرب عیسائیوں کو تشدد کا نشانہ بنایا۔ یروشلم کسی عادل حکمران کا منتظر رہا۔ تاریخ میں کئی بادشاہ فلسطین کو فتح کرتے رہے اور ہر ایک نے وہاں رہنے والے عیسائیوں اور یہودیوں پر مظالم ڈھائے چنانچہ دونوں مقدس صحیفوں کی رو سے وہ ایک ایسے حکمران کے منتظر تھے جو انہیں اس ناجائز تشدد اور جبر سے نجات دلائے گا۔ مسلمان خلیفہ کی فلسطین آمد تک الاقصیٰ ویران رہی تھی۔ فلسطین کے معمر سربراہ قبیلہ' سنیفورز (Snaifors) نے اپنے ہاتھ سے فلسطین کا نظم و نسق خلیفہ کے سپرد کیا۔ ۶۳۷ء میں حضرت عمرؓ فلسطین آئے جب نماز کا وقت ہوا تو انہیں جگہ کی تلاش ہوئی۔ عیسائیوں نے چرچ میں نماز ادا کرنے کی دعوت دی اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ ایسی مثال قائم ہو جس سے بعد میں مسلمان گرجاؤں کو مسجدوں میں تبدیل کرنے لگیں۔ مسلمانوں نے فلسطین فتح کرنے کے بعد عبادت گاہوں

کا تقدس برقرار رکھا۔ حضرت عمرؓ صحابہ کرامؓ کے ہمراہ اس جگہ آئے جہاں اس وقت مسجد اقصیٰ اور گنبد صخرہ ہے انہوں نے اسے صاف کیا اور وہاں مسجد تعمیر کر کے نمازیں ادا کیں۔ اس کے بعد چودہ سو سال سے یہ مسجد آج تک قائم ہے۔

اسرائیل کے پیروکار مسیحا کی آمد کے منتظر تھے جو بادشاہت اور حکمرانی کریں گے اور جیسا کے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے' بدی کی تمام قوتوں کو شکست دیں گے تاریخ انسانی میں یہ کام صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں انجام پایا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ نے اس خطے کی ظلم پر قائم تمام سلطنتوں کو شکست دے کر اللہ کی بادشاہت (اسلامی ریاست) قائم کر دی تھی۔ اس میں یروشلم بھی شامل تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا۔ اسرائیل کے پیروکاروں نے سن ۱۶۵ء قبل مسیح جوڈس میکیبوس (Judas Maccabeus) کی زیر قیادت اس پیشین گوئی کو حقیقت کا روپ دینے کی کوشش کی تھی مگر انہیں ۳ سال کے اندر رومیوں سے شکست دے دوچار کرنے کے بعد دوبارہ یروشلم کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یہ عربی نبی' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے جنہوں نے اس پیش گوئی کو سچ کر دکھایا۔ حضرت عیسیٰ ان لوگوں کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے تھے جنہوں نے ان سے پہلے انبیاء کی لائی ہوئی تعلیمات کو بھلا دیا تھا ان کی بعثت زمینی بادشاہت یا ریاست قائم کرنے کے لئے نہیں تھی۔

گیارھویں صدی عیسوی میں یورپی عیسائیوں نے صلیبی جنگوں کے دوران یہودیوں اور مسلمانوں پر مظالم ڈھائے اور انہیں زندہ جلایا یہاں تک کہ انہوں نے عرب عیسائیوں کو بھی نہ بخشا۔ یہودیوں نے بھاگ کر اندلس (سپین) میں مسلمان حکمرانوں کے زیر سایہ پناہ حاصل کی۔ ۱۱۸۹ء میں مسلمان سپہ سالار صلاح الدین ایوبی نے یورپی عیسائیوں کو یروشلم سے نکال باہر کیا اور وہاں اسلامی حکومت بحال کی جس جس میں عیسائی' یہودی اور مسلمان مل جل کر رہنے لگے۔

۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ کی وساطت سے مغربی طاقتوں کی مدد سے یہودیوں نے وہ وعدہ پورا کر دکھایا جو برطانوی وزیر خارجہ نے ۱۹۱۷ء میں کیا تھا کہ یہودی ارض مقدس فلسطین میں واپس جائیں گے۔ یروشلم پر ایک مرتبہ پھر یہودی قابض ہو گئے' انہوں نے وہاں رہنے والوں کو نکال باہر کیا اور یہ خطہ دوبارہ امن و سکون سے محروم ہو گیا۔

۱۹۸۰ء کی دہائی میں اسرائیلیوں نے گنبد صخرہ کے علاقے میں آثار قدیمہ کے ایک منصوبے کا آغاز کیا ان کا کہنا تھا کہ ہم ہیکل سلیمانی کو تلاش کر رہے ہیں چنانچہ ہیکل سلیمانی تو نہیں ملا' البتہ بادشاہ جے ہولاچن کی سرنگ انہیں مل گئی۔ اس پر انہوں نے اطمینان کا اظہار کیا کہ جس شے کی تلاش تھی وہ مل گئی۔ حالانکہ اس سرنگ کا ہیکل سلیمانی سے سرے سے کوئی تعلق نہیں بنتا۔

اس جگہ کا غیر جانبداری سے جائزہ لیا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ اس کی کوئی مذہبی اہمیت نہیں اگرچہ یہودی اپنی پوری تاریخ کو مذہبی رنگ میں پیش کرتے ہیں۔

پہلی مرتبہ سرنگ کو کھولنے کے بعد رابن حکومت نے مسلمانوں کی طرف سے ناخوشگوار رد عمل کے پیش نظر اسے بند کر دیا تھا لیکن وزیر اعظم نتن یاہو نے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ سرنگ کھولنے کا ان کا ارادہ نیک معلوم نہیں ہوتا' خصوصاً جبکہ وہ اسے کھلا رکھنے پر بضد ہیں۔

مسلمانوں کے نزدیک اس مسئلے کی جو اہمیت ہے اسے سمجھنا مشکل نہیں انہیں اصل فکر مسجد اقصیٰ اور اس کی بنیادوں کی ہے کیونکہ کھدائی سے مسجد کو نقصان پہنچ سکتا ہے مزید براں مسلمانوں کو اندیشہ ہے کہ یہ سرنگ جو مغربی دیوار (دیوار گریہ) کے قریب سے گذرتی ہے یہودیوں کا مسلمانوں کے علاقے میں ہجوم لے آئے گی اور منقسم شہر کے اس حصہ میں ان کے سیاسی نفوذ کا باعث ہو گی۔

("دی مسلم ورلڈ" کراچی' ۱۲نومبر ۹۶ء)

نامے میرے نام

مکرمی و محترمی حافظ عاکف سعید

السلام علیکم! ندائے خلافت نوائے سروش بن کر موصول ہوتا ہے۔ مخدومی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ارشادات بے راہ روی اور فحاشی کے دور میں شمع ہدایت ہیں۔ ایڈیٹر کے ڈیسک سے تحریر ادبی رنگ لئے ہوتی ہے اور دور حاضر پر بے لاگ تنقید و تبصرہ ہوتی ہے' مضامین کے تنوع سے پتہ چلتا ہے کہ مضمون نگار کی قرآن پاک اور حدیث نبویؐ پر گہری نظر ہے اور اس نے دقت نظر سے ان کا مطالعہ کیا ہے۔

اس دور خرافات و بے ہودہ میں دینی افکار و خیالات کا اظہار قلمی جہاد ہے اور آپ اسے احسن طریقے سے سرانجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے کثیر عطا فرمائے' آمین۔

اس گرانی کے زمانے میں صوری اور معنوی لحاظ سے پرچے کی اشاعت قابل صد مبارکباد ہے' ذریعہ ابلاغ نے تو مذہب سے دوری اور فحاشی کا ایسا طوفان برپا کر رکھا ہے جس کا سدباب دینی جریدے ہی کر سکتے ہیں' اندھیرا ہو تو ایک کرن بھی کافی ہے۔ مولانا محمد یوسف گناہ کا ذکر کر رہے تھے۔ ایک بلیغ جملہ ارشاد فرمایا جس کی ادب سے تعلق رکھنے والے ہی داد دے سکتے ہیں' فرمایا : "اگر تاریکی ہو تو آنکھوں والوں کو بھی کچھ نظر نہیں آتا"۔

ڈاکٹر صاحب اور ان کے رفقائے کار نے زندگی دین کی تبلیغ و اشاعت کے لئے وقف کر رکھی ہے اور اس حرص و ہوا کے دور میں بہت بڑا جہاد ہے۔ آپ پرچے میں "نعت" شائع نہیں کرتے ورنہ میں ہر شمارے کے لئے نئی نعت ارسال کروں' اس میں کوئی مصلحت ہو گی۔ میں بہت احتیاط سے نعت کہتا ہوں۔ میرے پیش نظر تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آیات کلام پاک ہوتی ہیں۔ بحمد اللہ ۱۶ نعتیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں' سترھواں' اٹھارھواں اور انیسواں مکمل ہیں' بیسواں لکھ رہا ہوں۔

آپ کی نوازش کے لئے میرے پاس ذخیرۂ الفاظ نہیں بہرکیف ممنون ہوں کہ اس عامی و خاطی کو نوازتے رہتے ہیں۔

دعاگو' دعاجو

حافظ لدھیانوی

☆ آپ کا یہ تحسین آمیز مراسلہ ہمارے لئے باعث ہمت افزائی ہے' ہماری جانب سے ہدیہ تشکر قبول فرمایئے۔ نعت گوئی میں آپ کے مقام و مرتبے سے کون واقف نہیں۔ "ندائے خلافت" کے لئے آپ نعت ضرور بھجوایئے' ہم کوشش کریں گے کہ ہر شمارے میں اس کے لئے جگہ ضرور مخصوص کریں۔ (ادارہ)

دہشت گردی کے خاتمے کے لئے مغرب کو اپنا دہرا معیار ختم کرنا ہو گا

الجزائر میں دہشت گردی تیس سالہ آمر سوشلسٹ حکومت کا تحفہ ہے

قانون کی حکمرانی ہو تو امن عامہ کا مسئلہ پیدا نہیں ہو گا

محفوظ ننہ

مضمون نگار الجزائر میں ۱۶/ نومبر ۱۹۹۶ء کے صدارتی انتخابات میں ۳۰ لاکھ سے زائد ووٹ حاصل کر کے (جو کل ڈالے گئے ووٹوں کا ۲۵ اعشاریہ ۳۸ فیصد بنتا ہے) دوسرے نمبر پر آنے والی الجزائر کی ایک سیاسی جماعت۔ موومنٹ آف دی اسلامک سوسائٹی کے صدر ہیں۔ موصوف الجزائر میں ہم عصر اسلامی تحریک کے بانیوں میں سے ہیں اور اس تحریک کے اعتدال پسند حلقہ کے رہنما ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ مسلح گروہوں کی دہشت گردی کی مذمت کی ہے اور حکومت پر زور دیتے رہے ہیں کہ انتخابات کے ذریعے جمہوری راستہ اختیار کرے۔ اسلام کے وسیع تر تناظر میں ننہ کا شمار ان اہم شخصیات میں ہوتا ہے جو عالمی اسلامی بھائی چارے کے تصور کے علمبردار ہیں۔

دہشت گردی کی بنیادیں

اگر کوئی حکومت سراسر ناانصافی پر اتر آئے تو وہ دہشت گردی کو بھڑکانے کا باعث تو بن سکتی ہے مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ اس دھاندلی کا جواب فوراً تشدد اور دہشت گردی سے دیا جاتا ہو۔ درحقیقت بے اعتدالیاں جب ایک طویل عمل کے نتیجے میں "معمول" کی شکل اختیار کر جاتی ہیں تو تشدد اور دہشت گردی کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ بدسلوکی' ناانصافی' بے ابروئی اور مایوسی اس طویل عمل کے سنگ میل ہیں۔ خاص کر جنوب کے ممالک کے بارے میں تو یہ بات بالکل صادق آتی ہے۔ دہشت گردی کہیں خلاء میں جنم نہیں لیتی۔ اس کو پروان چڑھانے میں مختلف عناصر کارفرما ہوئے ہیں اور کئی گروہ جن کے اپنے مفادات ہوتے ہیں اس کی پشت پناہی کرتے ہیں' اس ضمن میں یہاں بعض اسباب کا تذکرہ بے جا نہ ہو گا۔ مثلاً

- ○ جنوب پر سامراج کے براہ راست تسلط کے خاتمے کے بعد ان ممالک کا استحصال نہ صرف جاری ہے بلکہ اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ پہلے یہ استحصال بالواسطہ تھا اب بلاواسطہ ہے جس کا یہ نتیجہ ہے کہ سابق نوآبادیاتی ممالک غریب سے غریب تر ہو رہے ہیں۔
- ○ نوآبادیاتی نظام کے بعد ان ممالک میں جن لوگوں کو اقتدار منتقل کیا گیا وہ اپنے عوام کے حقوق کا تحفظ کرنے کی بجائے سابق آقاؤں کے وفادار ٹھہرے ان کی خود غرضانہ پالیسیوں کے نتیجے میں جب عوام کے پاس شکایات کی تلافی کے لئے کوئی پرامن ذریعہ نہیں رہ جاتا تو وہ انتہا پسندی کی جانب راغب ہوتے ہیں۔ تیل پیدا کرنے والے ممالک کی ایسی ہی پالیسیوں کا نتیجہ تھا کہ تیل کی بے پناہ آمدنی کے باوجود وہ آج پہلے سے زیادہ ترقی یافتہ ممالک کے محتاج ہیں۔
- ○ ایک طرف غربت ہے جس کی سطح نیچے سے نیچے جا رہی ہے دوسری طرف آبادی میں زبردست اضافہ ہو رہا ہے اور نت نئے سماجی مسائل کی بدولت نئی نسل کا باغیانہ رویہ سمجھ میں آنے والی بات ہے۔

الجزائر میں تشدد کی حقیقت

الجزائر میں اس وقت جو تشدد در تشدد کا سلسلہ جاری ہے وہ صرف ۱۹۹۱ء میں انتخابات روکنے کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ ۳۰ سالہ آمرانہ سوشلسٹ حکومت کا نتیجہ ہے۔ حکومت نے لوگوں سے اختلاف اور آزادی رائے کا حق چھین لیا۔ معیشت پر مرکز کے کنٹرول سے ملک میں کاروباری ادارے وجود میں نہ آسکے۔ ثقافتی سطح پر ایک اقلیتی نقطہ نظر کو پروان چڑھانے کی کوشش میں حقیقی ثقافت کو دبایا گیا تو اس کا ردعمل ہے جو اب ظاہر ہو رہا ہے۔ اسلام اور اسلامی تحریک کے نام پر جو جرائم کئے گئے ہیں وہ اپنی جگہ لیکن الجزائر میں جو حالات ہیں وہ بے سبب نہیں ہیں۔

اسلام کے نام پر یقیناً تشدد جائز نہیں ہے مگر دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ ذرائع ابلاغ منفی واقعات کو ضرورت سے زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کر کے لوگوں کو دانستہ اسلام سے متنفر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے ہتھکنڈوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اسلام کی سائنس اور رواداری پر مبنی تعلیم پر زور دیں۔ مانا کہ ذرائع ابلاغ کے پاس بڑی طاقت ہے اور تشدد کے واقعات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے اور تشدد کے حامیوں کو بہت اہم ثابت کرنے میں اس کا بڑا حصہ ہے لیکن میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہیں یہ یقین ہے کہ بدی کے مقابلے میں جیت ہمیشہ اچھائی کی ہوتی ہے۔ میڈیا کے علاوہ اسلام کو بدنام کرنے میں ہمارے حکمران بھی برابر کے شریک ہیں جو اسلام مخالف پروپیگنڈہ کی تو کھلی چھوٹ دیتے ہیں لیکن حقیقی اسلام کی بات کرنے پر کئی طرح کی قدغنیں عائد کر دیتے ہیں۔

وقتی طور پر شاید یہ حکمران اطمینان محسوس کریں کہ انہوں نے اسلام اور اس کی تبلیغ کرنے والوں کو بدنام کر کے اپنے مفادات محفوظ کر لئے ہیں لیکن اس طرح شکوک و شبہات اور آپس کی غلط فہمیاں پیدا کر کے وہ اپنے ہی عوام سے اپنے آپ کو مزید دور کرتے ہیں۔ مغرب میں رہنے والوں کو چاہئے کہ وہ اسلام کے خلاف گمراہ کن پروپیگنڈہ پر دھیان دینے کی بجائے ہمارے ممالک میں رونما ہونے والی سیاسی' سماجی اور ثقافتی تبدیلیوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ بعض عالمی طاقتوں کو حقیقت کا احساس ہو چلا ہے اور ان کے رویہ میں اسلامی تحریکوں کے بارے میں مثبت تبدیلی آنے لگی ہے۔ ہمارے ہاں امن عامہ کے نام پر جس طرح شہریوں کے حقوق پامال کئے جاتے ہیں اس سے کوئی بھی باشعور شخص لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ ان حالات کے پیدا کرنے کی ذمہ داری انہی پر عائد ہوتی ہے جو امن

عامہ برقرار رکھنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں کیونکہ جہاں قانون کی حکمرانی ہوتی ہے وہاں امن عامہ کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔

ذاتی طور پر میں دہشت گردی سے نفرت کرتا ہوں اور پوری قوت سے اس کی مذمت کرتا ہوں' اس سے متاثر ہونے والوں پر جو آفت آتی ہے مجھے اس کا احساس ہے۔ مجھے خود بھی اس کا سامنا رہتا ہے اور کئی سالوں سے اس کی مذمت کرتا چلا آ رہا ہوں چاہے یہ مذہب کے نام پر ہو یا کسی اور نام پر لیکن میرے اور مغرب کے دانشوروں اور سیاستدانوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ میں ہر قسم کی دہشت گردی کی مذمت کرتا ہوں' خواہ اس کا نشانہ بننے والے مغربی ممالک کے باشندے ہوں یا مسلمان۔ میرے نزدیک تمام انسان ایک جیسے ہیں۔ دہشت گردی کے خلاف مغرب کی جنگ میں سب سے بڑی خامی یہی ہے کہ اس نے دوہرا معیار اختیار کر رکھا ورنہ کیا وجہ ہے کہ ۶۰ اسرائیلیوں کی ہلاکت پر ۳۰ ممالک کے چوٹی کے لیڈر فوراً شرم الشیخ میں جمع ہو کر اس واقعہ کے خلاف یک جہتی کا اظہار فرماتے ہیں جبکہ گزشتہ چند سالوں میں الجزائر میں ۶۰ ہزار انسانوں کے ہلاک ہو جانے پر بھی پوری دنیا خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔ انسانیت کے خلاف ان بھیانک جرائم کی کسی نے مذمت کرنا تک ضروری نہیں سمجھا۔

دہشت گردی کے خاتمے کے لئے سب سے پہلے ایک اصولی موقف اختیار کرنا ہو گا اگر آپ علاقائی مفادات اور موقع پرستی کا مظاہرہ کریں گے تو کامیابی نہیں ہو گی۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر کسی ملک کے تمام رہنے والوں کو ان کے حقوق سے محروم کر دینا نہ اخلاقی طور پر درست ہو سکتا ہے اور نہ سیاسی طور پر۔

دہشت گردی پسماندگی' معاشرے کی تباہی اور انتشار کا باعث بنتی ہے۔ اس سے غربت' بیماری اور جہالت کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ اس کے سدباب کے لئے عالمی پیمانے پر موجود جملہ مسائل پر توجہ دینا ہو گی۔ پہلے یہ تسلیم کیا جانا چاہئے کہ مذہبی اور سیاسی انتہا پسندی ہی نہیں۔ سیکولر انتہا پسندی بھی اتنی ہی ناپسندیدہ ہے اس کے بعد ہی عالم اسلام کی صورت حال کو سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ سیکولر انتہا پسندی سب سے پہلے مغرب میں نمودار ہوئی جس نے چرچ کی سختی اور عدم رواداری کے خلاف رد عمل کے طور پر جنم لیا جب وہاں کے دانش ور طبقہ نے چرچ کے خلاف بغاوت کر کے اس کی برتری سے چھٹکارا حاصل کر لیا تو ہم پر کرم فرمائی کرتے ہوئے اس کا رخ ہماری طرف پھیر دیا حالانکہ اسلام میں سائنس اور مذہب کے درمیان سرے سے کسی قسم کی کوئی تفریق موجود نہیں ہے اور آج یہ سیکولرزم مغرب کی شہ پر پوری دنیا پر غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ عالم اسلام بے چارہ تو دوہرے عذاب میں ہے۔ ایک طرف بعض مغربی حلقوں کی انتہا پسندی ہے جو اسلام کو کالی ہانڈی کے طور پر پیش کرتے ہیں جسے کیمونزم کے خاتمے کے بعد محض ڈراوے کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے دوسری طرف اپنے ہیں جو ہر اس شے کو حرام سمجھتے ہیں جو مغرب سے ہو کر آتی ہے۔ خواہ وہ تصورات' ثقافت' رویہ یا ٹیکنالوجی ہی کیوں نہ ہو' یہاں تک کہ لوگوں اور ممالک کے درمیان جو معاشرتی روابط پیدا ہوئے ہیں یا سیاسی جمہوریت کو طرز حکومت کے طور پر جو بنیادی اہمیت حاصل ہوئی ہے اسے بھی رد کر دیا جاتا ہے۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ کوئی درمیانی راہ ہی مفید ہو سکتی ہے چنانچہ مغرب والوں کو چاہئے کہ اسلام کو خواہ مخواہ ہوا نہ بنائیں نیز مسلمانوں کو بھی دوسرے لوگوں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کی اہمیت کو سمجھنا چاہئے۔ نوع انسانی کی بحیثیت مجموعی بھلائی جذبہ محرکہ ہونا چاہئے۔ اصطلاحات اور تصورات کے غلط استعمال کے ضمن میں ہم دیکھتے ہیں کہ مغربی ذرائع ابلاغ دانستہ طور پر دہشت گردی کو عربوں اور مسلمانوں کے ساتھ نتھی کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے دنیا میں اسلام کے بارے میں غلط تصورات جنم لیتے ہیں۔ مغرب میں اسلام اور بنیاد پرستی کے درمیان تعلق کو جس طرح سمجھا جاتا ہے وہ خاص طور پر غور طلب ہے۔ اس سے وہ حضرات فائدہ اٹھاتے ہیں جو تہذیبوں کے درمیان جنگ کی تشہیر کر رہے ہیں۔

اس بے جوڑ میل کے ایک عنصر کو لے کر اسلام اور دہشت گردی اور مسلمانوں یا عربوں اور دہشت گردوں کے درمیان خواہ مخواہ کا تعلق پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مغرب میں بنیاد پرستی ایک جانبدارانہ اصطلاح ہے۔ عیسائی اقدار کے حامل مغرب والوں کے نزدیک یہ بہت بڑی برائی ہے۔ جس کا مذہبی تصور عدم رواداری اور منجمد رویے پر مبنی ہوتا ہے' ساتھ ہی وہ اسلام کو وہ معنی پہناتے ہیں جن کا سرے سے اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں' مثلاً بنیاد پرستی کا مفہوم اور اس کے ساتھ انتہا پسندی اور دہشت گردی کا دم چھلا خالص مغرب کی ایجاد ہے اس وقت جو بھی اسلامی تحریکیں جاری ہیں اور ان کے پیچھے جو بھی گروہ ہیں ان سب کے پیش نظر اپنے تشخص اور خودی کی تلاش اور مغربی استعمار سے نجات حاصل کرنا ہے جس کا پورے عالم اسلام اور عالم عرب کو سامنا ہے۔ ان تحریکوں کا ایک مقصد نیو ورلڈ آرڈر سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرنا بھی ہے جو پورے جنوب کو اس کے تاریخی ورثے سمیت پیروں تلے روند دینے پر تلا ہوا ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر میں جنوب کی افادیت صرف یہ ہے کہ اس کے قدرتی وسائل غصب کئے جائیں یا وہاں زہر آلود کیمیاوی مواد پھینکنے اور جوہری ہتھیاروں کی آزمائش کا کام لیا جائے۔ آپ کو معلوم ہے فرانس نے اپنا پہلا ایٹمی دھماکہ کرنے کے لئے الجزائر کا انتخاب کیا تھا جس کے اثرات آج تک باقی ہیں۔ ہمیں دہشت گردی اور تشدد اور مختلف مزاحمتی تحریکوں کے درمیان فرق کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ ایک طرف بڑی طاقتیں ہیں جو پوری دنیا پر من مانے طریقے سے اپنے نظریات ٹھونسنا چاہتی ہیں دوسری طرف وہ کمزور قومیں ہیں جو آزادی اور غیر ملکی تسلط سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ اگر دہشت گردی کا کوئی دین مذہب نہیں ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ غلامی اور بے عزتی کی زندگی بھی لعنت ہے جس سے نجات حاصل کرنا لوگوں کا حق ہے۔ یہ مسئلہ اس وجہ سے اور بھی پیچیدگی اختیار کر گیا ہے کہ اکثر مغربی دانش ور عیسائیت اور یہودیت کا تعلق تو ابراہیمؑ سے جوڑتے ہیں لیکن اسلام کو اس سلسلہ سے خارج سمجھتے ہیں ان کا یہ تصور ایسا نہیں ہے جس کی تصحیح نہ کی جا سکے۔ مغرب والوں کو چاہئے کہ سنجیدگی سے ان تعلیمات کو پرکھیں جو ہمارے نبیؐ نے پیش کی ہیں اور ان کی اہمیت کا جائزہ لیں۔ نبیؐ نے احساس ذمہ داری' آزادی' مہذبانہ استدلال اور دوسروں کے نقطہ نظر کو اہمیت دینے کی تعلیم دی ہے یہ ایسی اقدار ہیں جن کا احترام کیا جانا چاہئے۔ خواہ وہ انہیں نبی نہ بھی تسلیم کرتے ہوں۔ بعض مغربی دانش ور اس تعصب سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو ایک اچھی علامت ہے لیکن اب تک صورت حال یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا۔ اس کے برعکس اسی دقیانوسی تصور کا غلبہ ہے جو ایک عرب شیخ' اس کے نوٹوں کے بنڈلوں اور اس کے حرم یا پھر تلوار لئے ایک خونی عرب جنگجو تک محدود ہے۔ ایک عرب اپنی بقاء کی جنگ ہی کیوں نہ لڑ رہا ہو اسے بہرحال دہشت گرد شمار کیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ ماننا پڑے گا کہ عرب ذرائع ابلاغ بھی اسلام کی اعلیٰ تعلیمات یا عربوں کی

مثبت روایات کو اجاگر کرنے میں ناکام رہے ہیں۔
جزوی اور غیر اہم باتوں پر زور دینے کی بجائے تین باتیں ایسی ہیں جن کا اسلام' اس کے ورثے اور ثقافت کو سمجھنے کے لئے اہتمام ضروری ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ ایسے راستباز افراد کے ساتھ براہ راست گفتگو کی جائے جو اپنے مذہبی عقائد پیش کرنے کے علاوہ دوسرے کی بات سننے کا حوصلہ رکھتے ہوں' ان کی آنکھوں پر سیکولرزم تشدد یا سیاسی تعصب کی پٹی نہ پڑی ہو۔ اس کی کامیابی کا مظہر وہ مغربی دانش ور ہیں جنہوں نے کھلے دل و دماغ کے ساتھ جب اسلام کو دیکھا تو اس کی حقانیت کے قائل ہوتے چلے گئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ براہ راست قرآن اور سنت کا مطالعہ کیا جائے اگرچہ اس میں زبان کا مسئلہ ہے جو مغرب والوں کے لئے رکاوٹ بن سکتا ہے۔ تیسری بات یا ذریعہ ایسے عرب اور مسلمان سکالرز کے ساتھ رابطہ ہے جو سرکار دربار کے آدمی نہ ہوں۔ ایسے سکالرز نہیں جو ہوا کے رخ کو دیکھ کر چلنے والے ہوں اور میری رائے میں ان میں بہترین سکالر وہ ہیں جو حالیہ کسی اسلامی تحریک کے ساتھ وابستہ ہیں کیونکہ ان کا ووٹ اور نوٹ کے چکر میں پھنسنے کا امکان کم ہے اور وہ صرف اپنے ضمیر اور اپنے دینی فریضہ کی آواز پر کان دھریں گے چنانچہ اسلام کے بارے میں ایسے لوگوں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اسلامی تحریکیں کئی ہیں لیکن یہ ایک دوسرے کے لئے رکاوٹ کا باعث نہیں' تقویت کا باعث ہیں لیکن ان میں بھی یہ دیکھنا پڑے گا کہ کون زیادہ مخلص اور حق پر ہے اس کے لئے بہترین کسوٹی تبادلہ خیالات کے لئے کھلی آمادگی' مناسب استدلال کی صلاحیت اور اپنے نقطہ نظر کی تشہیر ہے۔ اس کے بعد سیاسی' معاشی اور سماجی مسائل کی اہمیت ہے اور ایسے غیر ضروری مباحث سے بچنے کا معاملہ ہے جن کا معاشرے کی فلاح و بہبود سے کوئی واسطہ نہیں۔ اگر کسی تحریک میں یہ باتیں ہیں اور اس میں دوسروں کو متاثر کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے تو اسے ایک قابل اعتماد اسلامی تحریک کہا جا سکتا ہے۔

تصادم یا پرامن بقائے باہمی

بعض مغربی حلقے اسلامی تحریک کی محض اس بنا پر مذمت کرنا ضرور سمجھتے ہیں کہ اس سے مغرب کے علاقائی مفادات پر زد پڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے جو بالکل ایک سطحی بات ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ مغرب کے جائز کاروباری مفادات کو نہ پہلے کبھی کوئی خطرہ تھا نہ

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

بقیہ : حدیث امروز

نے ہوائی روزی کے انتظار میں بغلیں بجانا شروع کر دیں مگر چند دنوں بعد ہی حکومت برطرف کر دی گئی اور آئی ایم ایف سے معاملہ پھر لٹک گیا نگران وزیر اعظم نے اپنی پہلی تقریر میں آئی ایم ایف کی کڑی شرائط پر سخت تنقید کی جس کے نتیجے میں آئی ایم ایف نے قرضے کی بحالی روک دینے کا اعلان کر دیا۔ اسی اثنا شاہد جاوید برکی نگران حکومت میں شامل ہو گئے۔ آئی ایم ایف سے گفت و شنید کا سلسلہ پھر شروع ہوا' ادارے کے سربراہ اسلام آباد پہنچے' صدر مملکت نے آئی ایم ایف سے برطرف حکومت کی طے شدہ شرائط پر عملدرآمد کی ضمانت دی اور یوں ۱۴/ نومبر کو قرضے کی بحالی کا باضابطہ اعلان ہوا۔ اس معاہدے کے اثرات فوری طور پر ظاہر ہونے لگے ہیں۔ پیٹرول' گھی' سیمنٹ' فرنس آئل' گرم مصالحے کی قیمتوں میں اضافہ کر دیا گیا ہے لوگ پہلے بے نظیر حکومت کو مورد الزام ٹھہراتے تھے اب نگران حکومت پر غصہ آتا ہے۔ بہرصورت یہ مسئلہ اتنا آسان نہیں کہ امریکہ' یہودی لابی' آئی ایم ایف یا حکومت وقت کو برا بھلا کہہ کر دل کا غبار نکال لیا اور خوش فہمی کی خواب شیریں میں وقت ٹالتے چلے گئے ہمارے معاملات کو سلجھانے کے لئے فرشتے نازل نہیں ہوں گے بلکہ ہمیں جان لینا چاہئے کہ اب گیند صریحاً پاکستانیوں کے کورٹ میں ہے۔ اگر ہم بھکاری کا رول ادا کرنے کی بجائے اقوام عالم میں کوئی باعزت مقام حاصل کرنے کے خواہشمند ہیں تو ساری قوم کو سنجیدگی اور ذمہ داری سے احمقانہ اسراف' بے ہودہ خودنمائی اور بے خوف بددیانتی سے عملاً گریز کرنا ہو گا۔ قدرت کی طرف سے معجزات کا انتظار کرنے کی بجائے اپنی روش کو درست کرنا چاہئے۔ ہم آواز ہو کر حکومت کے خلاف نعرے لگاتے رہنے سے کچھ نہیں بنے گا۔ مرد پھنکاریں یا خواتین کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور نہ ہی اقتدار کے بھوکے لیڈروں کے کہنے پر دو تین سال بعد حکومتوں کی الٹ پلٹ کرنے سے کوئی خیر برآمد ہو سکے گی۔ پچاس سال میں اس طریق کار سے کچھ حاصل نہ ہوا' اب کیا ہو گا۔ الٹا عوام کے حصے میں بدحالی' مایوسی اور بے زاری ہی آئی۔ للذا ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت میں شامل ارکان کی اور ان سب کی جو کبھی کسی حکومت میں شامل رہ چکے ہیں گوشمالی کی جائے۔ ان سب کے منہ کو حرام خوری کا لہو لگ چکا ہے۔ محکمہ بحالیات کے ذریعے انہوں نے بے حساب لوٹا بلکہ اب تک لوٹ رہے ہیں۔ بعض نے حکومتی سطح پر دفاعی ضروریات کی خرید میں ناقابل یقین حد تک کمیشن کمائے۔ بعض نے اپنے اقتدار کو طول دینے کی خاطر ہر برائی سے تعاون کیا۔ بعض نے سماج بھلائی کے نام پر اور علاقائی ترقی کے ضمن میں بیش قیمت منصوبہ جات کی تکمیل میں غیر ملکی کمپنیوں کو ملوث کرتے ہوئے بے اندازہ کمیشن وصول کئے۔ بعض نے اپنے جائز و ناجائز اختیارات استعمال کرتے ہوئے رشوت کا مال خوب جمع کیا۔ بعض نے پلاٹوں کے دھندے سے بے شمار دولت لوٹی اور لٹائی۔ ایسے سیاست دانوں کی نااہلی' بددیانتی اور بے وقعتی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نوکر شاہی (Bureaucracy) نے ایک جانب خوب ہاتھ رنگے اور دوسری جانب قومی زندگی کے ڈھانچے میں کرپشن کی جڑیں مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ جب تک تیرہ کروڑ آبادی کے ان ناسوروں کی چیرپھاڑ نہیں کی جاتی' جب تک ان قومی مجرموں کو کیفر کردار تک نہیں پہنچایا جاتا' جب تک ان سے حرام کی کمائی دولت ضبط نہیں کر لی جاتی ہماری قومی مشکلات میں کوئی کمی نہ ہو سکے گی۔ نگران حکومت نے نیا احتسابی آرڈیننس جاری کر دیا ہے اس کی بعض شقوں سے اس بنا پر صرف نظر کیا جا سکتا ہے کہ یہ تدریجی عمل ہے لیکن یہ کیونکر قبول کر لیا جائے کہ صدر' فوج اور گورنر اس قانون سے مستثنیٰ ہوں گے۔ ایک ہاتھ دین پسند ہونے کا دعویٰ اور دوسرے ہاتھ اسلامی طرز عدل کا مذاق۔ کیا ان لوگوں کو محسن انسانیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ استدلال یاد نہیں جو ایک عالی نسب عورت کا ہاتھ کاٹے جانے کی سزا پر اپیل مسترد کرتے ہوئے حضورؐ نے بیان فرمایا تھا۔ جان لینا چاہئے کہ احتساب کا عمل اس وقت تک ایک کوڑی کی حیثیت کا حامل نہیں ہو گا جب تک یہ قانون ہر ایک پر لاگو نہ ہو۔ کوئی صدر ہو یا وزیر اعظم' جج ہو یا فوجی' چیف ہو یا عمومی' بیوروکریٹ ہو یا سیاستدان' حاضر ہو یا سابق' غرضیکہ کوئی شخص احتساب سے مستثنیٰ نہ ہو۔ پھر تو شاید اس ناسور کے باقاعدہ اپریشن سے صورتحال پر قابو پایا جا سکے ورنہ جو زخم از خود پھٹ پڑے اس کا سنبھلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ OO

ہم خدا خوفی کی دولت سے محروم ہو گئے ہیں

لوگ شادی بیاہ پر تو بڑھ چڑھ کر خرچ کرتے ہیں لیکن میراث میں بہن کے حقوق نہیں مانتے

دو آنے رشوت لے کر سولہ آنے گناہ اٹھاتے ہیں !

ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی

ہم پانچ چھ دوست بیٹھے باتیں کر رہے تھے' ابھی کھانا لگنے میں کچھ وقت تھا۔ "دوست" تو تفہیم اور اخلاص کی علامت ہیں' اس میں عمر کا عنصر شامل نہیں۔ یہ دوست نوجوان بھی تھے اور جہاں دیدہ بھی۔ ان دنوں ہر گفتگو کسی نہ کسی راستے سے ملکی حالات' معاشرتی کیفیت اور سنگین مسائل تک پہنچ ہی جاتی ہے۔ ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے ذوق' تجربے اور پیشے کے اعتبار سے حالات پر تبصرہ کر رہا تھا۔

"ہم نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ تعلیم پر یہ برے دن آئیں گے۔ اساتذہ اس طرح نہیں پڑھاتے جو اُن کے مقدس پیشے کی لاج رکھے۔ طلبہ غیر سنجیدہ ہیں۔ طالبات نت نئے فیشنوں سے علمی حقائق کی نسبت زیادہ دلچسپی رکھتی ہیں" علی صاحب نے کہا۔

"صنعتیں تو تباہ ہو گئی ہیں۔ میں اپنی فیکٹری بیچ دینا چاہتا ہوں۔ مگر ان حالات میں کون خریدے گا؟" ابو ایوب بولے۔

"ارے صاحب! رشوت کتنی عام ہو گئی ہے۔ جو آدمی جہاں بیٹھا ہے رشوت لئے بغیر کوئی کام نہیں کرتا۔ کوئی پرمٹ' کوئی لائسنس رشوت دیئے بغیر نہیں ملتا' ہاں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنے تجربے پر یقین نہیں آتا۔" ہمارے تاجر دوست شاہد نے کہا اور شاید ابھی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ لطیف بول اٹھے :

"طالب علموں اور بے روزگار نوجوانوں میں منشیات کی وبا کس تیزی سے پھیل رہی ہے۔ سڑکوں پر' درختوں کے پیچھے' زیر تعمیر عمارتوں میں' حد یہ کہ قبرستانوں میں ہیروئنچی دنیا جہاں سے بے خبر پڑے رہتے ہیں اور لحہ لحہ موت سے قریب تر ہوتے جاتے ہیں۔ خاندان کا ادارہ بکھر گیا ہے۔ ماں باپ اعلیٰ معیار حیات کی خاطر دفتروں اور کارخانوں کا ایندھن بن گئے ہیں۔ ان نوجوانوں کو کسی کا ساتھ میسر نہیں"۔ لطیف نے بہت اداس لہجے میں کہا۔ مجھے معلوم تھا کہ ان کا اکلوتا بیٹا اب تو دنوں گھر نہیں آتا اور نشہ میں ڈوبا رہتا ہے۔

سلیم اور جلیل نے بھی اسی طرح معاشرتی برائیوں کی نشاندہی کی۔ جلیل کے ساتھ ایک صاحب بھی آئے جن سے اس سے پہلے تعارف نہیں تھا۔ معلوم ہوا کہ چوہدری صاحب ملتان میں کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ قیافہ سے آدمی نیک معلوم ہوتے تھے۔

ان برائیوں کے ذکر کے بعد کسی نے کہا کہ "کیا کیا جائے" اس سوال پر جیسے ایک خاموشی سی چھا گئی اور پھر اچانک چودھری صاحب نے اس خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا :

"جی۔ خدا خوفی"۔

اس ایک لفظ کے بعد پھر خاموشی چھا گئی۔ اور ہم سب اپنے طور پر کچھ سوچنے لگے۔ اپنی حد تک تو میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ سوچ کی رفتار بہت تیز تھی۔ ایک ہی لمحے میں کتنے ہی گوشے منور ہو گئے۔ جیسے کوئی اندھیرے کمرے میں تیزی کے ساتھ سوئچ دبا کر برقی قمقمے روشن کرتا چلا جائے اور اندھیرا اجالے میں بدل جائے۔

"خدا خوفی" چھوٹا سا لفظ ہے۔ میں نے سوچا کہ تقویٰ کا کیا اچھا ترجمہ ہے۔ یوں کیوں نہ کہوں کہ خدا خوفی بنیاد ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ سے کسی کے بارے میں کہا گیا کہ وہ بہت متقی ہے۔ فرمایا کہ تمہیں کیسے معلوم؟ جواب دیا گیا کہ راتیں عبادت میں گزارتا ہے اور سال کے بیشتر حصے میں روزے رکھتا ہے"۔

امیر المومنین نے پوچھا "کبھی اس کے پڑوس میں رہے ہو؟"

جواب ملا : "جی نہیں"۔

"کبھی اس کے ساتھ کوئی معاملہ کیا ہے؟"

"جی نہیں"۔

"کبھی اس کے ساتھ سفر کیا ہے؟"

"جی نہیں"

فرمایا : "پھر تمہیں کیسے معلوم کہ وہ متقی ہے"۔

گفتگو کا سرا میرے ہاتھ آگیا اور میں نے کہا : چودھری صاحب نے ایک لفظ میں ہمارے سوال کا جواب دیا ہے۔ ہم خدا خوفی کی دولت سے محروم ہو گئے ہیں۔ رمضان میں کبھی ہمارے ذہن میں یہ بات نہیں آئی کہ چپکے سے لوگوں کی نظر بچا کر کچھ کھا ہی لیں۔ ہمارے ذہن میں یہی بات ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے' لیکن رشوت لیتے ہوئے دوسرے کا حق مارتے ہوئے یہ بات ہم کیوں بھول جاتے ہیں۔ یہ تضاد اب تک میری سمجھ میں نہیں آسکا ہے۔ نماز کے بارے میں قرآن حکیم نے فرمایا کہ نماز منکرات اور فحش باتوں سے روکتی ہے' لیکن کتنے ہی نمازی دین کی حدود کو توڑتے ہیں اور اس صورت حال کی وجہ سے لوگ دین کا مذاق اڑاتے ہیں۔ "نماز میرا فرض ہے اور چوری میرا پیشہ" جیسے مکالمے آئے دن معاشرے میں سنائی دیتے ہیں۔ آخر یہ صورت حال کیوں ہے؟"

پھر خاموشی۔ اور آخر چودھری صاحب نے ایک بار پھر خاموشی کو کلام میں بدلا۔ کہنے لگے "جی۔ بات یہ ہے کہ اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہم سب کو خوب آ گیا ہے۔ جو آدمی جھوٹ بولتا ہے سب سے پہلے وہ ہی اپنے جھوٹ کو سچ سمجھتا ہے۔ اپنے آپ کو یقین دلاتا ہے کہ یہی سچ ہے۔"

میں نے جلیل سے پوچھا "بھائی۔ اب تک چودھری صاحب کو کہاں چھپا رکھا تھا۔ اس سے پہلے بھی تو کراچی آئے ہوں گے اور پھر چودھری صاحب سے کب تک کام چلے گا۔ نام تو بتاؤ"۔

جلیل کی جگہ چودھری صاحب نے خود جواب

دیا: "جی میرا نام احمد اللہ ہے۔ ملتان کا کاشتکار ہوں۔ کراچی آنا نہیں ہوتا۔ جلیل صاحب جب کبھی ملتان جاتے ہیں تو مجھے بھولتے نہیں۔ انہیں کے کہنے پر ہفتے دس دن کے لئے کراچی آیا ہوں۔

جلیل بولے: چودھری صاحب سے لاہور کے اسٹیشن پر اتفاق سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں کراچی کے لئے ریزرویشن کرا رہا تھا۔ میں نے جیب سے رومال نکالا۔ اسی جیب میں بے ڈھنگے طور پر روپے بھی رکھ چھوڑے تھے۔ پانچ پانچ سو کے نوٹ گر گئے۔ چودھری صاحب میرے پیچھے کھڑے تھے۔ انہوں نے وہ نوٹ زمین سے اٹھائے آہستہ سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "بھائی صاحب" میں نے مڑ کر دیکھا تو نوٹ دیتے ہوئے بولے کہ آپ کی جیب سے یہ نوٹ گر پڑے تھے۔ احتیاط برتا کیجئے۔ زندگی کے ہر معاملے میں ہر چیز اللہ پاک کی امانت ہے۔ بندے کو خیال رکھنا چاہئے۔ میں سوچنے لگا کہ دیکھ میاں جلیل، ایک چھوٹی سی بات کی بنا پر ان صاحب نے کیسی حکمت کی بات کہہ دی۔ بس اس لمحے سے ہماری دوستی ہو گئی"۔

چودھری صاحب نے کہا "ہاں جی۔ پکی دوستی۔ اصل میں مسلمان تو ہر ایک کا دوست ہوتا ہے چاہے اسے جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ مسلمان تو جی خیر خواہ ہوتا ہے سب کا۔ میں تو اسی کو اسلام سمجھتا ہوں کہ بندہ اللہ پاک کو نہ بھولے اور اس کی بندگی کرے اور دوسرے بندوں کی خدمت کرے"۔

میں نے یہ باتیں سن کر کہا "دوستو! ہمارے چودھری احمد اللہ صاحب نے ہمارے سوالوں کے کیسے جواب دے دیئے کہ کیا کیا جائے اور مزے کی بات یہ ہے کہ کوئی اصطلاح، کوئی uargon استعمال نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی سچائی، کوئی قدر آدمی کے وجود کا حصہ بن جاتی ہے تو اس کا اظہار ایسا آدمی پلیٹ فارم کی تقریر کی طرح نہیں کرتا بلکہ اس طرح کرتا ہے جیسے ہم ایک دوسرے کا حال پوچھیں۔

چودھری صاحب نے سچ کہا کہ خدا خوفی پر ہی مسلم معاشرے کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ اور جہاں خدا خوفی ہوگی وہاں کوئی دوسرے کا حق نہیں مارے گا۔ آج دیکھئے کہ باپ کے مرنے کے بعد بھائی میراث اور جائیداد پر کس طرح لڑتے ہیں۔ میت گھر میں رکھی ہوتی ہے کہ یہ جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں۔

سلیم نے کہا "اور حق تلفی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ ورثاء اس بات پر کوئی توجہ نہیں دیتے کہ مرنے والے کے ذمہ دوسروں کا قرض ہے یا نہیں اور اگر مرنے والے کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں تو ان کے حقوق بھی پامال کئے جاتے ہیں۔ اس کی چھوڑی ہوئی رقم سے تیجے کا کھانا اس طرح کیا جاتا ہے جیسے بارات کا کھانا ہو۔ رہی سہی رقم دسویں اور چالیسویں کی نذر ہو جاتی ہے۔ جس رسول ؐ نے ہمیں یہ تعلیم دی ہو کہ تمہارے گھروں میں سب سے اچھا وہ گھر ہے جہاں کوئی یتیم پرورش پا رہا ہو اور اس کے ساتھ شفقت کی جا رہی ہو، اس کے امتی آج یتیموں کا مال یوں کھا جاتے ہیں"۔

میں نے کہا "واقعی اپنی زندگی کے صرف اس پہلو کی اصلاح کر لیں تو معاشرے کے کئی مسائل حل ہو جائیں گے۔ میں نے بڑے بڑے زمین دار گھرانوں کو دیکھا ہے کہ بھائی، بہن کی شادی بڑی دھوم دھام سے کرتے ہیں۔ زبردست دعوت، ڈھیر سارا جہیز مگر جائیداد اور میراث میں بہن کے حقوق کو نہیں مانتے۔ اس غریب کو حصہ نہیں دیا جاتا اور یہ کہہ کر کہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں کہ ہم نے اس کی شادی کس بڑے پیمانے پر کر دی۔ اب کیسا حصہ۔ یوں شریعت کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور رسم و رواج کو تقدس عطا کر دیا جاتا ہے۔"

شاہد نے کہا: "میں آپ لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ رشوت کے بغیر کہیں کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ مگر اہم بات بتانے جا رہا تھا، مگر گفتگو کا سلسلہ آگے بڑھ گیا۔ ایک دفتر میں میرا کام اکثر پڑتا ہے۔ وہاں ایک افسر ہمیشہ مجھ سے کس کر رشوت وصول کرتے تھے۔ گزشتہ ہفتے مجھے ان کے پاس پھر جانا پڑا۔ اس بار انہوں نے مجھے بڑے تپاک سے اپنے پاس بٹھایا۔ میں نے دل میں کہا کہ اللہ خیر کرے۔ اب تو یہ خوش اخلاقی کا مجسمہ بن گئے اور چائے بھی پلا رہے ہیں کہیں رشوت کے ریٹ تو نہیں بڑھ گئے۔ چائے پینے کے بعد ان صاحب نے کہا کہ "شاہد صاحب مجھے آپ سے بہت ضروری بات کہنی ہے" میں نے کہا "ارشاد ۔ میں ہمہ تن گوش ہوں"۔

بولے "سب سے پہلے تو میں آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ بلا رشوت آپ کا کوئی کام نہیں کیا۔ ان شاء اللہ آپ سے میں نے جو کچھ لیا ہے اسے قسطوں میں ادا کروں گا۔ اپنی فضول خرچی اور مال حرام کی بنیاد پر اسراف میری اور گھر والوں کا انداز زیست بن گیا ہے۔ اس لئے یک مشت ادا نہیں کر سکتا"۔ اب مجھ میں کچھ جرات پیدا ہو گئی۔ حیرت کا تو خیر کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ مزاج تو ٹھیک ہے۔ آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔

کہنے لگے کہ ایک ہفتہ ہوا۔ میں چھٹی کے بعد گھر جانے کے لئے دفتر سے نکلا۔ ابھی اپنی گاڑی تک نہ پہنچا تھا کہ کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ دیکھا تو ایک بزرگ تھے۔ خوبصورت چہرہ، ہاتھوں میں خاصا موٹا ڈنڈا، کپڑے بہت سادہ مگر صاف ستھرے، آنکھوں میں کچھ ایسی کیفیت تھی جسے میں کوئی نام نہیں دے سکتا۔ ایک جلال سا تھا۔ پوچھنے لگے کہ تم رشوت لیتے ہو؟ میں ان کی آنکھوں کی برقی قوت کا مقابلہ نہ کر سکا اور میرے منہ سے لفظ "جی" میری مرضی کے بغیر نکل گیا۔ اس پر ان بزرگ نے کہا کہ اگر تم ایک روپیہ رشوت لیتے ہو تو کتنے آنے تم پر خرچ ہوتے ہیں۔ میں ایک لمحہ سوچا کہ اعشاریہ نظام کے دور میں بھی یہ بزرگ میری ہی طرح اب تک آنہ پائی کے زمانے میں رہتے ہیں۔ پھر میں نے کہا کہ زیادہ سے زیادہ دو آنے۔ وہ مسکرائے اور کہنے لگے کہ صرف دو آنے اور گناہ تم پر سولہ آنے ہوتا ہے۔ ذرا اس بات پر غور کرنا۔ شاہد صاحب! وہ تو یہ کہہ کر چلے گئے لیکن اس دن مجھے رات کو نیند نہیں آئی۔ ساری رات دو آنے اور سولہ آنے پر غور کرتا رہا اور الحمد للہ پھر صبح اٹھ کر اپنے اللہ سے (جسے میں بھول چکا تھا) عہد کر لیا کہ اب رشوت نہیں لوں گا۔ آپ دعا کیجئے کہ اللہ مجھے اس عہد پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

شاہد کی بات ختم ہوئی تھی کہ جلیل کے بیٹے نے آ کر کھانا لگنے کی نوید سنائی اور کمرہ طعام میں چلنے کی درخواست کی۔ پھر ہم سب کھانے کی میز پر خاموشی کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ مگر مسلسل سوچ بھی رہے تھے۔ خاموش یوں تھے کہ جلیل صاحب کھانے کے دوران گفتگو کے مخالفوں میں سے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یکسوئی کے ساتھ کھانا کھایا جائے اور مسلسل اللہ کا شکر ادا کیا جائے۔ ہمارے کھانے کے لئے اللہ کے بندوبست کے طویل اور عظیم سلسلہ پر غور کیا جائے۔

اس نے زمین کو پیداواری قوت عطا کی، دانہ گندم کو قوت نمودی کہ وہ زمین کی تہہ کو پھاڑ کر ابھر آتا ہے۔ بادل پانی کے کتنے مشکیزے لے کر آتے ہیں، سورج کی کرنیں کس طرح غلے کو پکاتی ہیں، کسان کس طرح محنت کرتا ہے، کس طرح یہ غلہ شہر کے بازاروں تک آتا ہے...... سوچتے چلے جایئے۔

اور میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ مایوسی کی کوئی بات نہیں ابھی ہمارے درمیان چودھری صاحب جیسے

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دورِ جام

صحافیوں میں احساس ذمہ داری کا پیدا ہو جانا قوم کیلئے ایک اچھی علامت ہے

موجودہ صورتحال کے پیش نظر عوام کا تمام اداروں پر سے اعتماد اٹھ چکا ہے

گیاہ ضعیف

مہذب معاشرے میں صحافی حضرات کا کردار بہت اہم ہوتا ہے۔ انسانی زندگی کے اجتماعی معاملات خواہ وہ معاشرتی نوعیت کے ہوں یا سیاسی و معاشی اہمیت کے' ان کے بارے میں اہل وطن کو آگاہ رکھنا ان کے فریضے میں شامل ہے خواہ ان کا تعلق حکمران طبقے سے ہو یا محکوم طبقے سے۔ بلکہ یہ کہنا بجا ہو گا کہ ان دونوں طبقات کے درمیان حائل خلیج کو پاٹنے میں ان کا کردار بہت اہم ہوتا ہے۔ ان کی تحریروں سے اگر حکمران طبقے کو لوگوں کے مسائل کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے تو حکمرانوں کی مجبوریوں اور ان کی کوتاہیوں سے عوام کو بھی آگاہی ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں چونکہ مجموعی طور پر معاشرہ بتدریج زوال کی طرف رواں دواں ہے' اور صحافی حضرات بھی چونکہ اسی معاشرے کا حصہ ہیں لہٰذا وہ بھی اس سے محفوظ نہیں لہٰذا حکومت اور عوام سب اس کے شاکی ہیں کہ وہ اپنا کردار بخوبی ادا نہیں کر رہے۔ کراچی کے ایک شہری کی حیثیت سے راقم کی اپنی کیفیت بھی ان سے مختلف نہیں۔ مثلاً یہ کہ ۹۲ء کے بعد سے اب تک کراچی کے عوام پر جو کچھ گزری ہے اس کی صحیح عکاسی کبھی پریس کے ذریعہ نہیں ہوئی۔ اور اگر کبھی کہیں ہوئی بھی ہے تو وہ بھرپور طور پر نہیں ہوئی۔ اس صورتحال میں جب ۱۴/ اکتوبر ۹۶ء کے اخبارات پر نظر پڑی تو ایک خوشگوار حیرت کا احساس ہوا۔ ملیر کھوکھراپار کے علاقے میں گزشتہ چند دنوں میں وہاں کے باشندوں پر جو کچھ بھی بیتی ہے اس کی نہ صرف بھرپور رپورٹنگ کی گئی ہے بلکہ واقعات کے حوالے سے تصاویر بھی شائع ہوئی ہیں۔ ملک کے کثیر الاشاعت اخبار "جنگ" کی خبر کا متن میں یہاں اس لئے درج کر رہا ہوں تاکہ قارئین "ندائے خلافت" میں سے جن کی نظر سے یہ خبر نہیں گزری ان تک بھی بات پہنچ جائے خصوصاً اس حلقے کو جنہیں کراچی کے واقعات کے حوالے سے ندائے خلافت میں شائع ہونے والے مضامین پر اعتراضات ہیں تاکہ ان کی شکایات کا بھی ازالہ ہو سکے۔ کاش کہ ہمارے صحافی حضرات اول دن سے ہی اپنا کردار ادا کر رہے ہوتے تو آج جو کچھ اہل کراچی کے ساتھ ہو رہا ہے اس کی نوبت نہ آتی۔ بہرحال' صبح کا بھولا اگر شام کو بھی گھر آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔

"کراچی (سٹاف رپورٹر) ماڈل کالونی' سعود آباد اور کھوکھراپار میں پولیس کارروائی کے نتیجے میں شدید خوف و ہراس پایا جاتا ہے۔ وہ گلیاں جہاں عمومی طور پر چہل پہل رہتی تھی وہاں سناٹا طاری تھا۔ اتوار کو ان علاقوں میں نصف سے زائد دوکانیں بند تھیں۔ پولیس سے متاثرہ لوگوں نے الزام لگایا کہ "پولیس نے حملہ آوروں کی طرح گھروں میں گھس کر سامان کی توڑ پھوڑ کی' مال غنیمت کی طرح لوٹ مچائی' خواتین کے ساتھ بدتمیزی کی' گالیاں دیں' بچوں اور نوجوانوں کو گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔ ان کی رہائی کے لئے ۲۵ سے ۵۰ ہزار روپے تک طلب کئے جا رہے ہیں"۔ اتوار کی سہ پہر کراچی کے صحافیوں اور فوٹو گرافروں کی ایک بڑی تعداد نے ان علاقوں کا دورہ کیا اور متاثرین سے ملاقاتیں کیں (ایسا ماضی میں کبھی نہیں ہوا۔ راقم) ان کے ساتھ ایم کیو ایم حقیقی کے رہنما کامران رضوی' سہیل ہاشمی اور شریف بھائی بھی تھے۔ صحافیوں اور فوٹو گرافروں کی ٹیم کھوکھراپار پولیس اسٹیشن بھی گئی (بڑی جرات رندانہ سے کام لیا۔ راقم) جہاں ایس۔ ایچ۔ او ذیشان کاظمی سے ملاقات نہیں کرائی گئی اور نہ ہی کسی افسر نے صحافیوں سے ملاقات کی۔ ماڈل کالونی کے علاقے عالمگیر سوسائٹی میں لیاقت ایونیو روڈ پر جہاں کرفیو کا سماں تھا گلی میں سڑک کی تعمیر کے لئے پتھر بچھے ہوئے تھے۔ رولر کھڑا تھا لیکن کام نہیں ہو رہا تھا۔ اس گلی میں ایم کیو ایم حقیقی کے سیکٹر انچارج آفتاب حسن کا مکان ہے۔ آفتاب حسن کی والدہ اور دیگر اہل خانہ نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ پولیس نے چھ مرتبہ چھاپا مارا ہے۔ پہلے ذیشان کاظمی آئے بعد میں ناصر لودھی نے ۱۲ گھنٹے میں چار چھاپے مارے۔ وہ میرے آٹھ سال کے نواسے کو پکڑ کر لے گئے تھے۔ کہتے تھے کہ مردوں کو لاؤ۔ ہم کہاں سے مردوں کو لائیں۔ انہوں نے بتایا کہ پولیس کے خوف سے ان کی بیٹی جو سسرال سے آئی ہوئی تھی اپنے بچوں کے ساتھ واپس چلی گئی ہے۔ اس گلی میں اخبار نویسوں اور فوٹو گرافروں کو دیکھ کر دیگر گھروں سے خواتین نے جھانک کر دیکھا' مگر کوئی خاتون باہر نہ نکلی' نہ ہی اس علاقے میں کوئی مرد نظر آیا۔ سعود آباد اور اس کے راستے میں متعدد دکانیں بند تھیں۔ گلیوں میں سناٹا تھا۔ اخبار والوں کو دیکھ کر چھوٹے بچے جمع ہو گئے۔ تنگ گلیوں میں واقع گھروں کے دروازے کھلے اور خواتین نے باہر دیکھنا شروع کیا۔ سب کے چہروں پر خوف تھا۔ اس علاقے میں انوار شیخ کا مکان ہے۔ انوار شیخ کی والدہ نے ایس ایچ او سعود آباد ناصر لودھی کو بددعائیں دیتے ہوئے الزام لگایا کہ پولیس والوں نے ان کے گھر کا سارا سامان لوٹ لیا۔ جس میں ان کی دو بیٹیوں کے جہیز کا سامان بھی شامل تھا۔ وی سی آر' ٹی وی' دو ڈیک لے گئے۔ خواتین کے ہاتھوں سے چوڑیاں اتروا لیں۔ میرے بیٹے کو بٹ مارے اور اسے گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔ بیٹے کی موٹر سائیکل بھی لے گئے۔ انہوں نے روتے ہوئے بددعا کی کہ "خدا کرے ناصر لودھی کٹ مرے"۔ اسی اثناء میں نوار شیخ کے والد بھی نماز پڑھ کر آ گئے۔ انہوں نے جذباتی انداز میں کہا کہ ڈھائی سال سے یہاں

پر امن تھا۔ اچانک پولیس نے ظلم شروع کر دیا ہے۔ انہوں نے الزام لگایا کہ ذیشان کاظمی پر فائرنگ ایک ڈرامہ ہے۔ کوئی ان سے یہ سوال کیوں نہیں پوچھتا کہ اگر ڈھائی تین سو گولیاں چلیں تو وہ کیسے بچ گئے۔ کیا ان کی گاڑی آٹومیٹک تھی جو انہیں بھگا کر لے گئی۔ انہوں نے کہا انہیں کیا پتہ یہ ملک ہم نے کس طرح بنایا۔ کتنی قربانیاں دیں۔ انہوں (حکمرانوں نے) قربانیاں دی ہوتیں تو انہیں پتہ چلتا۔ سعود آباد سے صحافیوں کی ٹیم کھوکھرا پار ایریا یونٹ نمبر ۹۷ پہنچی جہاں ایم کیو ایم حقیقی کے یونٹ آفس کی دیواریں مسمار کی گئی تھیں۔ اس علاقے میں بھی لوگ سہمے ہوئے نظر آئے جو اخبار نویسوں سے بات کرنے کو تیار نہیں تھے۔ کھوکھرا پار میں ایم کیو ایم حقیقی کے رہنما ظفری بھائی کے گھر میں خواتین کا آیت کریمہ کا ورد جاری تھا۔ ان کے گھر کے ایک کمرے میں الماری کھلی تھی۔ سامان بکھرا پڑا تھا۔ خواتین نے بتایا کہ آج صبح ۱۱ بجے پولیس تیسری مرتبہ آئی اور توڑ پھوڑ کر کے چلی گئی۔ اس تنگ گلی میں کھیلنے والے ایک بچے نے بتایا کہ ان کے بھائی کو بھی پولیس لے گئی ہے اور رہائی کے لئے دو ہزار روپے مانگ رہی ہے۔ گھر کی خواتین نے بتایا کہ انسپکٹر ناصر لودھی کے ساتھ پولیس کی بڑی تعداد تھی۔ جو دروازوں کو توڑ کر گھروں میں گھس گئی جہاں لوگ سو رہے تھے۔ ان کے ساتھ بدتمیزی کی' خواتین کو گالیاں دیں"۔ انہوں نے الزام لگایا کہ پولیس کے اہلکار شراب کے نشے میں تھے جو سوئے ہوئے بچوں کو اٹھا کر لے گئے۔ اس گھر کی ایک بزرگ خاتون نے اپنے چہرے کو دوپٹے سے چھپا لیا اور روتے ہوئے بتایا کہ پولیس نے جس طرح میری تذلیل کی میں بیان نہیں کر سکتی۔ قریب ہی رہنے والے ایک بزرگ نے بتایا کہ پولیس میرے نواسے کو لے گئی تھی جسے دس ہزار روپے لے کر چھوڑا ہے۔ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے ایسا تو ہندوؤں نے بھی نہیں کیا۔ صحافیوں کی ٹیم علاقے کے دورے اور متاثرین سے ملاقاتوں کے بعد جب پولیس کا موقف جاننے کے لئے کھوکھرا پار پولیس اسٹیشن پہنچی تو انہوں نے دروازے پر متعین پولیس اہلکار سے کہا کہ "ہم ایس ایچ او صاحب سے ملنا چاہتے ہیں"۔ اس پر پولیس اہلکار نے کہا کہ صاحب نے کسی سے بھی ملاقات سے منع کیا ہے۔ پولیس اہلکار کو بتایا گیا کہ ہم اخبار والے ہیں۔ ایس ایچ او سے ضروری ملاقات کرنی ہے۔

اس پر پولیس اہلکار نے مرکزی دروازے کا چھوٹا دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ کچھ دیر بعد ایسی آوازیں آئیں جیسے دروازے کا کنڈا بند کیا جا رہا ہو۔ بعد میں سادہ کپڑوں میں ملبوس ایک شخص دروازے پر آیا۔ صحافیوں کے سوالات پر اس نے بتایا کہ ایس ایچ او صاحب رات ۸ بجے آئیں گے۔ جب ان سے کہا گیا کہ ڈیوٹی افسر سے ملاقات کرا دو۔ اس دوران فوٹو گرافروں نے تصاویر بنانا شروع کیں تو اس شخص نے تیزی کے ساتھ اندر سے دروازہ بند کر لیا اور غائب ہو گیا۔ اخبار نویس تقریباً ۱۵ منٹ تک تھانے کے گیٹ پر کھڑے رہے۔ اخبار نویسوں نے باہر ہی سے پوچھا گیا کہ کیا کوئی ڈیوٹی افسر نہیں ہے۔ اس پر جواب ملا کہ اس وقت کوئی نہیں ہے۔ اس طرح

اخبار نویس وہاں سے واپس چلے آئے۔ کھوکھرا پار میں ہی ایم کیو ایم حقیقی کے کارکن انعام الدین کے بھانجے نے بتایا کہ ماموں گھر پر نہیں تھے۔ ان کے نانا تھے۔ پولیس نے کئی چھاپے یہاں مارے' توڑ پھوڑ کی' ٹیلی فون کاٹ کر لے گئے' دھمکیوں کے باعث لوگ نقل مکانی پر مجبور ہو رہے ہیں۔ جب صحافی سعود آباد کا دورہ کر رہے تھے تو وہاں سے گزرنے والی ۷۰ سال سے زائد عمر کی ایک عورت نے اخبار نویسوں سے سوال کیا۔ کیا یہ صحیح ہے' جن بچوں کو پکڑا ہے پولیس انہیں آج شام گولی مار دے گی۔ پھر بڑبڑاتے ہوئے کہا کہ ۴۰ - ۵۰ ہزار روپے غریب آدمی کہاں سے لائے۔ اس کے بعد وہ بزرگ خاتون چلی گئی۔ ایم

(باقی صفحہ پر)

نوکر شاہی کے کرتوت

گزشتہ اکتوبر میں اخبار میں ایک خبر پڑھی کہ "پاکستان کے نامور سائنس دان ڈاکٹر قادر حسین کا یورینیم کے حصول کا منفرد فارمولا امریکی ادارے پیٹنٹ ٹریڈ مارک نے منظور کر لیا۔ ڈاکٹر صاحب کے اس فارمولے کے تحت یورینیم کئی مراحل کی بجائے صرف ایک ہی مرحلے میں علیحدہ (افزودہ) ہو جاتا ہے۔ جبکہ دوسرے ممالک میں رائج طریقوں کے تحت یورینیم کئی مرحلوں سے گزر کر حاصل ہوتا ہے۔ محترم ڈاکٹر قادر حسین نے ۱۹۷۸ء میں حکومت پاکستان کے پیٹنٹ آفس کو درخواست کی کہ ان کی ایجاد کے حقوق موجد ان کو جاری کئے جائیں چنانچہ حکومت نے ان کے طریقے کو ابتدائی مراحل میں منظور کر لیا اور ۱۹۸۱ء کے شائع کردہ اپنے گزٹ میں اس پر اعتراضات طلب کئے اور ۴ ماہ تک کوئی اعتراض موصول نہ ہونے پر ان کے حق میں پیٹنٹ جاری کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ لیکن بعد میں وزارت صنعت کی مداخلت نے معاملے کو اتنا طول دیا کہ ۱۹۹۲ء تک کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اور ان کا یہ کیس بیورو کریسی کی ملی بھگت سے فائلوں میں دب کر رہ گیا۔ اسی دوران موصوف ڈاکٹر صاحب نے امریکی ادارے سے رجوع کیا لہٰذا مذکورہ ادارہ نے موصوف کے تمام دعووں کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے حق میں فیصلہ دے دیا اور ۳۰ اگست ۱۹۹۴ء کو ان کو اطلاع ملی کہ ان کا فارمولا تسلیم کر لیا گیا ہے اور ان کو متعدد مالی ایوارڈز بھی دیئے جانے کا امکان ہے۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے ایسے جوہر قابل کی ناقدری کا ذمہ دار کون ہے؟ کہ محکمہ صنعت نے بیورو کریسی سے مل کر ایسے قابل سائنس دان کی حوصلہ شکنی کی جس کی وجہ سے اسے بیرونی ممالک سے رجوع کرنا پڑا۔

یہ ایک ہی مثال نہیں پاکستان بلکہ مسلمانان عالم کی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ شمسی توانائی کے سیل پاکستانی سائنس دان کی ایجاد ہیں اور سکائی لیب پر جو شمسی بتیاں پہلی بار لگائی گئیں وہ پاکستان کی ایجاد کردہ تھیں۔ اسی طرح ۱۹۸۵ء میں ایک پاکستانی نے دعویٰ کیا کہ وہ کھڑے پانی میں ٹربائین چلا کر بجلی پیدا کر سکتا ہے ایسی مثالیں بہت ہیں لیکن افسوس ہے کہ حکومتی سرپرستی نہ ہونے کے سبب ایسے جوہر قابل کی ناقدری کی جاتی ہے اور بڑے بڑے سرمایہ دار و تاجر اس راہ میں بڑی رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ لیکن قوم کا اجتماعی مفاد پیش نظر نہیں رکھا جاتا۔

آسماں کے جور کا بھی ذکر ہم کرتے نہیں
کیا خبر چل کر کہاں سے بات آ جائے کہاں

(بشکریہ ماہنامہ "سبیل ہدایت" لاہور)

کیا مسلمانوں کا دوسروں سے الگ خطے میں رہنا ضروری ہے

پاکستان میں نسلی عدم موافقت ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہونی چاہئے

جہاں مقابلہ سخت ہو گا وہاں انسان کے جوہر کھلیں گے

کشمیری مسلمانوں سے بھارتی مسلمانوں کی اپیل جو مسئلہ کشمیر کے ضمن میں ان کی سوچ کی آئینہ دار ہے

ماخوذ از : اسلامک وائس (اکتوبر ۹۶ء) بنگلور

اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

جب یہ سطور اشاعت کے مراحل سے گزر کر آپ کی نظروں سے گزریں گی جموں و کشمیر میں نئی حکومت چارج سنبھال چکی ہو گی۔ یہ حکومت پرانے چہروں پر مشتمل ہوگی جو تازہ مینڈیٹ لے کر آئیں گے۔ یہ یقین کرنے کی خاصی وجوہات موجود ہیں کہ یہ انتخابات ان انتخابات کی نسبت زیادہ قابل اعتماد ہوں گے جو اس شورش زدہ وادی میں گزشتہ اپریل میں لوک سبھا کے لئے ہوئے تھے۔ یہ بات نئے حکمرانوں کے لئے تقویت کا باعث ہوگی لیکن اس کے باوجود اسے عوامی حمایت حاصل کرنے کے لئے اچھی خاصی تگ و دو کرنا پڑے گی۔

نئی حکومت کے آنے سے کشمیر کا مسئلہ ایک دم ختم تو نہیں ہو جائے گا لیکن اگر حکومت نوجوان نسل سے ہتھیار چھڑا کر اسے ایک نئی جدوجہد کی راہ پر ڈال سکے تو یہ اس کی بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ یہ مقصد ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے سامنے لا کھڑا کرنے سے حاصل نہیں ہو گا بلکہ مرکز نے خود مختاری دینے کا جو وعدہ کیا ہے اس کا احترام ہونا چاہئے۔ دوسری طرف ریاستی حکومت کو بھی آرٹیکل ۳۷۰ کے تحت حاصل ہونے والے اختیارات کے بے دریغ استعمال سے اجتناب کرنا ہوگا۔ اگر اسے کھلے لائسنس کے طور پر استعمال کیا گیا تو دوسری ریاستوں کو بھی اسی طرح کے مطالبات پیش کرنے کی ترغیب ملے گی۔ مرکز کو اس ضمن میں جو تشویش لاحق ہے وہ بلا وجہ نہیں ہے۔

وادی میں رہنے والے لوگوں کو بھی کسی حد تک دوبارہ سوچنے کی ضرورت ہے۔ یہ صحیح ہے کہ انہیں بے پناہ مصائب جھیلنے پڑے ہیں اور یہ کہ کشمیر کا مسئلہ بہت پرانا ہے مگر جس طرح ان مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس سے وادی کے عوام کو کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اگر اس کے کسی ایک حصے کے رہنے والے لوگوں کی خواہشات کو پیش نظر رکھا گیا تو دوسرے حصے کے لوگوں کی جو اتنے ہی بڑے حصے میں رہتے ہیں، حق تلفی ہو گی اور اگر ہر ایک حصے نے اپنا الگ راستہ اختیار کیا تو ریاست میں باقی کیا بچے گا۔

اسی طرح اگر کشمیر کے جھگڑے کو بندوق کے ذریعے طے کرنے کی راہ اپنائی جاتی ہے تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ یہ چھوٹا سا خطہ زمین دوسرا افغانستان نہیں بن جائے گا۔ ہمیں خشکی سے گھرے اس پڑوسی ملک میں ہونے والی خانہ جنگی سے عبرت حاصل کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ کوئی بھی کشمیری اس خوبصورت خطے کے ٹکڑے کرنے یا اس میں گروہی تصادم کو ہوا دینا پسند نہیں کرے گا۔ افغان جہاد میں بھی لوگوں نے اسلام کے لئے ہی حصہ لیا تھا۔

ہمیں غور کرنا ہو گا کہ کیا یہ ضروری ہے کہ جہاں مسلمان معتدبہ تعداد میں ہوں وہ اپنا ایک الگ قلعہ بنا کر بیٹھ جائیں۔ کیا مسلمانوں کو بالکل الگ علاقوں میں رہنا چاہئے تاکہ کوئی غیر مسلم وہاں نہ رہ سکے۔ اگر ایسا کرنا لازم ہے تو دعوت کا فریضہ کیسے ادا ہو گا۔ دعوت کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ آپ دوسروں میں گھل مل کر رہیں۔ آخر روس اور چین جیسے اسلام دشمن ممالک میں بھی تو مسلمان رہتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے اختلافات پر علیحدگی اختیار کرنے کی روش مثبت طرز عمل نہیں ہو سکتا۔

پاکستان میں نسلی بنیادوں پر پائی جانے والی عدم موافقت ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہونی چاہئے۔ پاکستان ایک ایسا ملک ہے جو عدم استحکام سے دوچار ہے کیونکہ اس کا سارا تانا بانا کمزور بنیادوں پر استوار ہے۔ ہندوستان سے ہجرت کر کے جانے والے مسلمان جنہیں مہاجر کہا جاتا ہے، پچاس سال گزرنے کے باوجود وہاں کے معاشرے میں ضم نہیں ہو سکے۔ اس کے مقابلے میں ہندوستان کا ملا جلا معاشرہ زیادہ وسعت کا حامل ہے۔ ہندوستان کے اندر کشمیریات کے لئے بھی گنجائش موجود ہے اور اسلام کے لئے بھی۔ اس میں جو انحراف ہوا ہے اس سے قطع نظر، آرٹیکل ۳۷۰ کشمیریوں کی امتیازی حیثیت برقرار رکھنے کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ جموں و کشمیر میں مسلم اکثریت، پنجاب میں سکھ اور شمال مشرق میں عیسائی اکثریت ہندوستان کی دیگر چھوٹی اقلیتوں کے لئے تقویت کا باعث ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان ممالک کی نسبت جہاں مسلمان واضح اکثریت میں ہیں ہندوستان کے مسلمان اقلیت میں ہونے کے باوجود اسلام کے معاملے میں زیادہ حساس اور متحرک ہیں۔ کشمیریوں کو غیر مسلموں کے ساتھ مل کر رہنے سے کئی فوائد حاصل ہوں گے۔ ملائشیا، جنوبی افریقہ، امریکہ اور سری لنکا وغیرہ کی مثال لے لیجئے۔ اسی طرح ہندوستان میں تعلیم، روزگار اور ریسرچ کے

بہتر مواقع میسر ہیں۔ مقابلہ جتنا سخت ہو گا اتنے زیادہ آپ کے جوہر کھلیں گے' ہندوستان کی مسلمان برادری خیالات' مہارت اور اشیاء کے تبادلے کے لئے کشمیریوں پر انحصار کرتی ہے۔ کشمیری قیادت ہندوستانی مسلمانوں کی امنگیں اور تحفظات مرکز تک پہنچانے کا ذریعہ بنی رہی ہے۔ یہ اس لئے ممکن ہوا کہ ان کے پاس اختیارات ہیں۔ اردو جسے ہندوستان میں کہیں پناہ نہیں ملی' جموں و کشمیر میں اسے سرکاری سرپرستی حاصل ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے امداد باہمی پر مبنی یہ تعلقات بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

ایک صحت مند کشمیر ہندوستان کے اندر رہ کر پورے برعظیم میں اقلیتوں کے لئے امید کا ذریعہ ثابت ہوگا۔ نئی حکومت ریاست کو واپس صحت مندانہ راہ پر ڈال سکی تو امید کی یہ شمع روشن رہے گی۔

(Islamic voice Oct.1996)

بنگلور' انڈیا

بقیہ : صورت حال

فیصلہ نافذ کردیا۔

موجودہ حکومت کے زوال سے ایک بار پھر یہ بات ثابت ہو گئی کہ اسمبلیاں اپنے مقاصد پورے کرنے میں ناکام ہو چکی ہیں۔ اس کے ارکان کی اکثریت ان مسائل کو ایوان کے اندر طے کرنے کی بجائے سڑکوں اور گلیوں میں ہی طے کرنا چاہتی ہے اور اس نے ایسا ہی کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ مسائل سڑکوں پر ہی طے ہونے ہیں تو پھر انتخابات کے تکلف کی کیا ضرورت ہے اور ارکان اسمبلی پر اس غریب اور مقروض قوم کے گاڑھے پسینے کی کمائی لٹانے کا کیوں اہتمام کیا جائے؟

بقیہ : مکتوب کراچی

کیو ایم حقیقی کے رہنماؤں نے ایم کیو ایم حقیقی کے یونٹ نمبر ۹۷ اور ۹۵ کے آفس بھی دکھائے جن کی دیواریں توڑ دی گئی ہیں"۔

یہ تو تھا "جنگ" اخبار کی خبر کا متن۔ بظاہر یہ بڑی حوصلہ افزا بات ہے کہ صحافی حضرات کو اپنی ذمہ داریوں کو احساس ہو گیا۔ اللہ کرے ان کا یہ احساس قائم و دائم رہے۔ لیکن وطن عزیز میں موجودہ صورتحال کے پیش نظر لوگوں کا تمام اداروں پر سے اعتماد اٹھ چکا ہے۔ لہٰذا ؎

مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دور جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

کے مصداق لوگ اس پیش رفت کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اور ان کا گمان یہ ہے کہ یہ بھی کسی فرد یا ادارے کی ایما پر ہو رہا ہے اور وہ اس کے ڈانڈے میر مرتضیٰ بھٹو کے قتل کے بعد کی صورتحال سے ملا رہے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب! بہرحال ہمیں تو حسن ظن رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ لہٰذا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ صحافیوں میں احساس ذمہ داری کا پیدا ہو جانا قوم کے لئے ایک اچھی علامت ہے۔

بقیہ : تبادلہ خیال

لوگ موجود ہیں جن کے پاس بڑی بڑی علمی ڈگریاں تو نہیں لیکن جنہوں نے خدا خوفی کے مدرسے سے زندگی بسر کرنے کے آداب ضرور سیکھے ہیں اور کس سادگی سے اپنی بات بیان کرسکتے ہیں۔ آج لاکھ اندھیرا سہی مگر چراغ عمل تو اسلام کی تعلیمات کی صورت میں روشن ہے۔

اندھیر میں دشوار قطع راہ
چراغ عمل تا سحر جائیے

(ماہنامہ "دعوۃ")

بقیہ : دین و دانش

اور مسلمانوں میں بھائی چارا کو فروغ دینا۔ سرسید مرحوم اور ان کے رفقاء نے دونوں محاذوں پر قابل قدر جدوجہد کی۔ البتہ سرسید اور مولانا آزاد کی جدوجہد میں یہ فرق واضح طور پر نظر آتا ہے کہ مولانا کی جدوجہد شریعت اسلام کے دائرہ میں اعتدال کے ساتھ جاری رہی اور سرسید اور ان کے رفقاء سیاسی مصلحتوں سے مغلوب ہو کر اعتدال قائم نہ رکھ سکے۔

اسی غلط نظریہ نے آگے چل کر مرزا غلام احمد قادیانی کی قلم سے انگریز حکمرانوں کو شرعی اولوالامر قرار دلوایا اور جہاد اسلامی کو منسوخ کہا گیا۔ یہ بے اعتدالی تھی' دین کے اندر تحریف تھی جو انگریزوں کو خوش کرنے کے لئے اختیار کی گئی۔

اس راہ میں مولانا آزاد کے ساتھ حضرت شیخ الہند کے مجاہد شاگردوں اور تربیت یافتہ علماء مشائخ کی بڑی تعداد شریک رہی۔ مولانا حسین احمد مدنی مفتی اعظم محمد کفایت اللہ دینی اور شرعی علوم کی بین الاقوامی ہستیاں تھیں' ان حضرات کے دینی اخلاص اور تقویٰ کی ان کے سیاسی مخالف بھی قدر و منزلت کرتے تھے۔

بقیہ : امن عالم

اب ہے۔ بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے مفادات کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور اسلامی تحریک عالمی طاقتوں کے ساتھ ایسی مفاہمت کے لئے کوشاں ہے جس سے مسلمانوں کے مفادات کو تحفظ حاصل ہو اس کے برعکس اگر عرب ممالک میں زبردستی سیکولرزم کو لانے کی کوشش کی گئی تو اس سے ایک زبردست بھونچال آ جائے گا جس کا تدارک صرف اسلامی تحریک کے ذریعے ہی کیا جا سکتا ہے۔ یورپ کے تقریباً تمام صدر مقامات پر میری وہاں کے دانش ور' سیاستدان اور پالیسی ساز حضرات سے گفتگو ہوتی رہی ہے جس سے مجھے اندازہ ہے کہ ان کے ذہنوں میں اسلام کا کس قدر غلط تصور پایا جاتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا سبب ہمارے حکمرانوں کا وہ پروپیگنڈا ہے جو وہ اپنے ذاتی مفادات کے حصول کے لئے اسلام تحریک کے خلاف کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ صیہونی اور صلیبی ذہن کا بھی اس میں خاصا عمل دخل ہے۔

مسلمان ممالک میں موجود بعض نظریاتی اقلیتیں بھی اسلام کو پھلتا پھولتا دیکھنا نہیں چاہتیں۔ تاہم میں تہذیبوں کے ٹکراؤ میں یقین نہیں رکھتا۔ میں پرامن بقائے باہمی کا حامی ہوں۔ اس کا باعث اسلام پر میرا پختہ یقین ہے۔ اسلامی تہذیب نے کبھی بھی کسی دوسری تہذیب کو مٹانے کی کوشش نہیں کی بلکہ فارسی' فرعونی' رومی' بربر یا یونانی اور دیگر تہذیبوں کے ساتھ ہم آہنگی اختیار کی اور اس سے ہمیشہ اچھے نتائج اخذ کئے۔ ہم دوبارہ اسی پر عظمت دور کو واپس لانے کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ تا کہ گروہی تعصبات اور نفرتوں سے پاک ایک عالمی معاشرہ وجود میں لایا جاسکے۔ (سلام نیوز)

امیر تنظیم اسلامی کا ایک نہایت جامع درس قرآن

بعنوان:

اطاعت کا قرآنی تصور

کتابی شکل میں دستیاب ہے

صفحات ۴۴' قیمت ۷ روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور

پاکستان کی تحریک مذہبی نہیں تھی

روایتی مذہبی قیادت آنے والے حالات کا نقشہ دیکھنے سے قاصر تھی

"منتظرین کا خیال یہ تھا کہ محمد علی جناح شیروانی میں ملبوس پورے ادب و احترام کے ساتھ درگاہ کے احاطہ میں داخل ہوں گے' لیکن یہ دیکھ کر وہ سب حیرت زدہ رہ گئے کہ جناح انگریزی طرز کے شاندار سفید سوٹ اور ٹائی میں اس طرح چلے آ رہے ہیں کہ سگریٹ ان کے ہاتھ میں ہے اور سگریٹ ہولڈر پر سونے کی پلیٹ چڑھی ہوئی ہے۔ سجادہ نشین تو اس منظر سے بھونچکا رہ گئے۔ حاضرین نے کسی طرح ان کے ہاتھ سے سگریٹ الگ کیا' کچھ لوگوں نے جوتے کھولے پھر انہیں مزار تک لے جایا گیا"۔

پچاس سال سے زائد عرصہ پہلے کا یہ واقعہ جس کا تعلق درگاہ حضرت معین الدین چشتی اجمیری سے ہے ایک عینی شاہد رائے سنگھ (نئی دہلی) نے بیان کیا ہے۔ (ٹائمز آف انڈیا ۳۵/ستمبر)

مراسلہ ایک مضمون کے سلسلہ میں ہے جس میں اصغر علی انجینئر نے محمد علی جناح کی شخصیت و کردار پر روشنی ڈالی تھی اور انہیں ایک اعتدال پسند غیر فرقہ پرست لیڈر کے طور پر پیش کیا تھا اور بتایا تھا کہ جناح باعمل مسلمان نہیں تھے۔ وہ اسلام کی ابتدائی تعلیمات سے بھی ناواقف تھے ایمان و عقیدہ بھی نہیں رکھتے۔ تاثراتی مراسلہ کا عنوان ہے "جناح اور اسلام"۔

جناح کی شخصیت کے بارے میں یہ کوئی غیر معمولی انکشاف نہیں ہے سبھی جانتے ہیں کہ وہ مغربی طرز زندگی کے دلدادہ تھے' اسلامی احکام سے اپنی ناواقفیت کو بھی انہوں نے کبھی نہیں چھپایا لیکن اس کے باوجود وہ مسلمانوں کے مقبول عام لیڈر بن گئے اور رائے سنگھ کو سب سے زیادہ تعجب اسی بات پر ہے کہ "میں موقع پر موجود تھا مجھے اس وقت بھی تعجب ہوا تھا اور آج تک ہوتا ہے کہ اسلام سے اس قدر ناواقف آخر لاکھوں ہندوستانی مسلمانوں کا لیڈر کیسے بن گیا"۔ یہ تعجب بے جا نہیں۔ مسلمان تو جیسا کہ غیر مسلموں کا عام خیال ہے' مذہبی کٹر پنتھی ہوتے ہیں' ملاؤں اور "علماؤں" کے پیچھے چلتے ہیں۔ آزادی سے پہلے بھی یہی صورتحال تھی پھر انہوں نے ایک مغرب زدہ شخص کو اپنا رہنما کیسے تسلیم کر لیا جبکہ اس وقت بھی علماء موجود تھے۔ علماء کی جماعتیں موجود تھیں' مگر متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ مولانا آزاد کو چھوڑ کر مسٹر جناح کے پیچھے ہو لیا۔ یہ سوال غیر مسلموں کے علاوہ بہت سے مسلمانوں کو بھی پریشان کرتا رہا ہے۔ درست ہے کہ پاکستان کی تحریک کوئی اسلامی تحریک نہیں تھی لیکن مسلم لیگ والے دین یا اسلام سے وابستگی کا اظہار ضرور کرتے تھے۔

سوال کا جواب زیادہ پیچیدہ نہیں ہے بشرطیکہ تحریک آزادی ہند کے حالات اور اس میں مختلف گروہوں کے طرز عمل اور ان کی سوچ کا جائزہ ذرا گہرائی کے ساتھ لیا جائے۔ علماء موجود تھے' جماعتیں موجود تھیں لیکن گرد و پیش پائی جانے والی تنگ نظری اور اس کے انجام کا اندازہ کوئی نہیں کر رہا تھا۔ اسی لئے کچھ لوگوں نے مسلم لیگ بنائی مگر لیگ میں توانائی اس وقت آئی جب ایک بہت بڑا نیشنلسٹ مسلمان کانگریس سے بیزار ہو کر لندن چلا گیا اور اسے بعد اصرار واپس بلا کر قائد بنایا گیا۔ اس لئے کہ مغرب زدہ نیشنلسٹ مسلمان نے تنگ نظری کا ادراک اور آزاد ہندوستان کے حالات کا اندازہ کر لیا تھا۔ اس کی باتیں بہت سے مسلمانوں کے دل کی آواز تھیں۔ چنانچہ اس نے آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی پوزیشن مستحکم بنانے کی غرض سے پاکستان کا نعرہ محض دباؤ کی سیاست کے طور پر بلند کیا لیکن انڈین نیشنل کانگریس کی لیڈر شپ زیادہ ذہین ثابت ہوئی' اس نے جناح کو پاکستان دے دیا جسے لینے پر وہ مجبور تھا' اور اس طرح اس نے ذہین لیڈر شپ سے مات کھا لی۔

ذکر چلا تھا جناح کے لیڈر بن جانے سے' تو بات سوائے اس کے کچھ نہیں کہ بیرسٹر کی آنکھوں نے آنے والے حالات کا وہ نقشہ دیکھ لیا تھا جسے دیکھنے سے روایتی مذہبی قیادت قاصر رہی تھی۔

(بشکریہ : "دارالسلام" نومبر ۱۹۹۶ء)

1924ء میں خلافت کی تنسیخ کے بعد سے 1969ء تک

عالم اسلام کے کسی متحد نظام یا ادارہ کے قیام کی مساعی کے جائزہ پر مشتمل ایک تاریخی دستاویز جو گوشہ خلافت کے عنوان سے ندائے خلافت میں بالاقساط شائع کی جاتی رہی

استنبول سے رباط تک

تالیف : عمران این حسین

ترجمہ و تلخیص از محمد سردار اعوان

تقدیم از قلم ڈاکٹر اسرار احمد

سفید کاغذ' صفحات : 110' قیمت : 30 روپے

شائع کردہ : مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

خطاب جمعہ

عالمی مالیاتی استعمار کے "قرق امین" پاکستان پر مسلط کردیئے گئے ہیں

نگران حکومت بڑے سیاسی مگرمچھوں کا فوری اور بے لاگ احتساب کرکے انتخابات مقررہ مدت ہی میں منعقد کرائے

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے ۱۵ نومبر کے خطاب قبل از جمعہ کا خلاصہ

صدر مملکت کی طرف سے بے نظیر بھٹو کی حکومت کو برخاست کرنے اور قومی اسمبلی کو تحلیل کرنے کے اقدام کا "متاثرہ فریق" کے سوا پوری قوم نے خیر مقدم کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ "سرے محل" کے اسکینڈل کے منظر عام پر آتے ہی اس حکومت کی اخلاقی ساکھ ختم ہو گئی تھی' اور اسی وقت یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ حکومت زیادہ عرصے چلنے والی نہیں ہے۔ تاہم یہ بھی واقعہ ہے کہ جس انداز میں بے نظیر حکومت کو برطرف کرکے نگران حکومت کو لایا گیا ہے وہ ہرگز قابل اطمینان نہیں ہے۔ یہ انداز درحقیقت ایک الجھے ہوئے (confused) ذہن کی عکاسی کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سے کوئی نقشہ بنا ہوا نہیں تھا اور محض اندھیرے میں تیر چلائے جا رہے ہیں۔ جن افراد کو نگران حکومتوں میں ذمہ داریاں سونپی جا رہی ہیں' ان کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے ان کے انتخاب میں صدر کی ذاتی دوستی اور پیپلز پارٹی سے دشمنی کے سوا کسی بات کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے۔ ممتاز بھٹو' طارق رحیم اور سکندر زمان جیسے لوگوں کی تقرری کا فیصلہ درست نہیں ہے۔ نگران حکومت کی اپنی ساکھ ان کی وجہ سے صفر ہو چکی ہے۔

نگران حکومت ایک شدید مخمصے (Dilemma) میں مبتلا ہے۔ احتساب اگر موثر اور مکمل طور پر کیا جائے تو انتخابات ملتوی کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ موجودہ حکمرانوں کا ایڈ[illegible] رشک و شبہ سے بالاتر نہیں ہے۔ اگر عدلیہ کے بااعتماد لوگ لئے گئے ہوتے تو احتساب کا کوئی امکان بھی تھا' لیکن موجودہ نگرانوں سے اس سلسلے میں کسی بہتری کی توقع کم ہی ہے۔ اسی طرح اگر آئینی تقاضے پورے کرنے کے لئے نئی مردم شماری اور نئی حلقہ بندیاں کی جائیں تو یہ کام بھی تین مہینے میں مکمل ہونے والا نہیں۔ دوسری طرف اگر احتساب اور مردم شماری کے بغیر انتخابات کرا دیئے جاتے ہیں تو وہی پرانے چہرے دوبارہ اقتدار میں آجائیں گے اور اس طرح یہ پوری exercise بے نتیجہ ہو کر رہ جائے گی۔ عوام کا تصور یہ ہے کہ ایک مخصوص طبقے سے تعلق رکھنے والے چند سو گھرانوں ہی کے افراد باری باری اقتدار میں آتے ہیں' اور یہ لوگ ہرگز ایک دوسرے کا احتساب نہیں کریں گے۔ اسی طرح نئی حلقہ بندیوں کے بعد بہت سے مقتدر افراد کا منتخب ہونا مشکل ہو جائے گا اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے مردم شماری میں رکاوٹیں ڈالتے رہے ہیں۔

موجودہ حالات میں صحیح طرز عمل یہ ہے کہ انتخابات کسی صورت میں بھی ملتوی نہ کئے جائیں' اس لئے کہ فی الوقت پاکستان کو متحد رکھنے والی شے صرف اس کا آئین ہے۔ اگر ایک مرتبہ دستور سے ماورا اقدامات کا سلسلہ شروع ہو گیا اور دستور کی گرہ کھل گئی تو اس کا نتیجہ محض انتشار اور افراتفری کی صورت میں نکلے گا۔ جہاں تک احتساب کا تعلق ہے' اگر نگران حکومت چند بڑے بڑے مجرموں کو سزا دلوانے میں کامیاب ہو جائے تو یہی اس کے لئے بڑی بات ہو گی نیز اس سے ایک صحت مند روایت بھی قائم ہو جائے گی کہ اس ملک میں بدعنوان عناصر پکڑے بھی جا سکتے ہیں۔ احتساب کے نام پر انتخاب کو ملتوی کرنا ہرگز درست نہ ہو گا۔

ہمیں سمجھنا چاہئے کہ پاکستانی سیاست کے پس پردہ کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ یہودی مالیاتی استعمار ہمارے ملک پر مسلط ہو چکا ہے۔ یہ شیطانی ٹولہ ایک حکومت سے اپنے مفادات حاصل کرنے کے بعد کسی اور کو اقتدار میں لے آتا ہے اور اسے اپنا آلہ کار بنا لیتا ہے۔ معین قریشی اور شاہد جاوید برکی جیسے لوگ اسی ٹولے کے ایجنٹ ہیں۔ جو "قرق امین" بنا کر ہم پر مسلط کئے جاتے رہے ہیں۔ عالمی مالیاتی استعمار قوم کو انتخابی سیاست کے کھیل میں الجھا کر اپنے مخصوص مقاصد کی تکمیل کر رہا ہے۔ ہمارے بدعنوان سیاست دانوں اور افسروں کی دولت بھی انہی کے بڑے بڑے بینکوں میں جاتی ہے۔

پاکستان کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ اسلام کے سوا اس ملک کا کوئی جواز اور وجہ استحکام نہیں ہے۔ اگر ہم اسلام کی طرف حقیقی معنوں میں پیش قدمی نہیں کرتے تو یہ ملک محض ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کا اڈا بن کر رہ جائے گا۔ پاکستانی مسلمانوں کو فیصلہ کرنا ہو گا کہ انہیں اسلام چاہئے ہے یا نہیں؟ اگر وہ لادینیت ہی کو پسند کرتے ہیں تو پھر پاکستان کے الگ وجود کا کیا جواز ہے' اور ایسی صورت میں اسے بھارت کے ساتھ ضم کیوں نہ کر دیا جائے؟ مذہبی جماعتیں انتخابی سیاست میں وقت اور توانائی کا ضیاع کر رہی ہیں۔ پاکستان اور اسلام سے وفاداری رکھنے والوں کو چاہئے کہ وہ انتخابی کھیل سے الگ ہو کر خالص دینی بنیاد پر تحریک چلانے کے لئے تیاری کریں۔ یہ احتجاجی تحریک اسی صورت میں شروع کی جا سکے گی جب اسلام پسند اور اسلام مخالف لوگ بالکل الگ ہو چکے ہوں' اور معاشرے کی یہ polarization بڑے پیمانے پر دعوت اور رابطوں کے بغیر ممکن نہیں۔ جب تیاری مکمل ہو جائے تو کسی ایک شخص کو اجتماعی طور پر لیڈر مان کر پرامن اور منظم احتجاجی تحریک چلائی جائے۔ اس کے علاوہ پاکستان میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کا کوئی دوسرا طریقہ ممکن نہیں ہے۔

تنظیم اسلامی کی دعوت

کتابی شکل میں دستیاب ہے

عمدہ طباعت' صفحات ۵۲ قیمت ۸ روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور